جلد ۱۱۲ نومبر ۱۹۸۹ء عدد ۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

عدد ۳	نومبر ۱۹۸۹ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ	جلد ۱۱۲

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

رابطہ کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

فون نمبر ——— ۳۲۴۴۶۸

زرسالانہ تیس روپے ۔ فی پرچہ ۳/- روپے

سیّد حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ہمارے عزیز وطن میں جو احیائے اسلام کے لیے وقف ہے، بیرونی اور اندرونی شرپسندوں نے مل جل کر اخلاقی تباہی کی ایسی مہم چند برس سے چلا رکھی ہے کہ جس کا آج کے جمہوری دور میں تو موسم بہار ہے۔ ہماری اخلاقی تباہی سے عظیم ترین مقصد تو یہ ہے کہ اس قوم کو "اسلام" اور "اسلامی نظام" اور "قانونِ شریعت" سے بچایا جائے۔ ضمناً یہ مطلب خود ہی حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ "احساسِ اسلامیت" کے مضبوط خول سے نکل کر ملحدانہ تہذیب اور مادہ پرستانہ نظریوں کے لیے سستا شکار بن جائے۔ ایک بار اس کی ایمانی خودی یا "ملّی انا" مٹ جائے تو پھر یہ یہودیوں سے بھی پیار کر سکتی ہے اور بھارت سے یارانہ گانٹھ سکتی ہے، اور امریکہ اور روس کے قلادے بھی شوق سے زینتِ گردن کر سکتی ہے۔

اس اخلاقی تباہی میں تھوڑی سی مدت میں جو خوف ناک اضافہ ہوا ہے، ویسا شاید کسی ملحد و کافر قوم میں ہو تو حکام اور دانشوروں اور سیاست کاروں کو چونکا دے۔

کل کے نوائے وقت میں ایک ہی دن صرف ناموسِ خواتین کے متعلق دردناک زیادتیوں کی جو خبریں ملیں ان پر تڑپنے والا ہر دل اندازہ کر سکتا ہے کہ ایسی کتنی اور وارداتیں عدالتوں یا اخباروں کے دائرے سے باہر ہوتی ہوں گی ـــ اور روز ہوتی ہوں گی۔ پھر دوسرے جرائم تو اور بھی بے حساب ہیں۔

ذرا خبروں کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

۱ ۔ سلمیٰ بی بی کو ریمانڈ کے دوران تھانے کی حوالات سے انسپکٹر ثاقب کے گھر لے جا کر شیطنیت کا نشانہ بنانے کا الزام سلمیٰ بی بی کے والد عبدالحمید کی جانب سے لاہور ہائی کورٹ کے روبرو رِٹ! (مبینہ اخباری رپورٹ)

۲ ۔ وزیراعلیٰ پنجاب کے حکم سے حفیظاں بی بی کے خوفناک الزامات کی باضابطہ انکوائری پر ڈی۔ ایس۔ پی کرائمز برانچ لاہور چوہدری محمد حسین کو مامور کیا گیا ہے۔ (اخباری رپورٹ)
حفیظاں بی بی کا بیان ہے کہ رات کے وقت انسپکٹر سید والا دیوار پھلانگ کر اندر آیا اور اُسے زدوکوب کرتے ہوئے چوٹی سے پکڑ کر گھسیٹ کر باہر لایا اور کار میں بٹھا کر دس سالہ لڑکی کوثر سمیت تھانہ میں لے گیا، وہاں محمد منشا کے خلاف زنا کا مقدمہ بنوانے کے لیے بیان دینے کو کہا گیا۔ اس کے انکار پر اُسے ننگا کر کے پیٹا گیا اور اس کے مخالف یحییٰ سے "زبردستی" کرائی گئی ...... دس سالہ بچی نے والدہ کو چھڑانے کے لیے منت سماجت کی تو اُس کو "ٹھڈے" مارے گئے۔ (مبینہ رپورٹ)

۳ ۔ مسماۃ کوثر پروین کالونی چک لالہ (راولپنڈی) سے ایک فوتیدگی کی اطلاع پر چکوال جانے کے لیے گھر سے سواری پر نکلی۔ ملزمان نے اس عورت اور اس کی دونوں لڑکیوں اور بچوں کو اپنی کار میں بٹھا لیا۔ جہلم روڈ کے قریب ضلع کچہری کے عقب میں وہ انہیں ایک ہوٹل میں لے گئے۔ بعد ازاں ماں اور دونوں بچیوں کو الگ کمرے میں بند کر دیا۔ اور شراب کی بوتلیں کھول کر دونوں لڑکیوں کے ساتھ رات بھر شیطنیت میں مصروف رہے۔ بعد میں ملزمان گرفتار کر لیے گئے۔ اور گاڑیوں کے نمبر بھی نوٹ کر لیے گئے۔

۴ ۔ افسوسناک بدسلوکی کی ایک خبر فلمی اداکارہ ندیمہ کے متعلق ہے کہ اس کے ساتھ اور اس کے ماموں زاد بھائی کے ساتھ تھانہ (اچھرہ) میں ہتک آمیز سلوک کرنے پر آئی جی پنجاب کے زیرِ ہدایت ایس ایچ او اچھرہ کو لائن حاضر کر دیا گیا ہے اور دو کانسٹیبلوں کو معطل کر دیا ہے، اور ایس پی کینٹ کو اس واقعہ کی تحقیقات ۱۵ دن کے اندر کر کے رپورٹ دینے کا حکم دیا ہے اور سختی سے ہدایت کی ہے کہ عورتوں

کو نقصان نے پہنچانے یا رکھنے کے معاملے میں انتہائی احتیاط کی جائے۔[1]

۵۔ یہ خبر خواتین سے متعلق نہیں، مگر اسی سلسلۂ جرائم کی ایک کڑی ہے جس میں مجرم لوگ ماؤں کو اذیت دینے اور بچوں کی زندگیاں تباہ کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ شاہدرہ کی نواحی بستی میں سے دو سکوٹر سوار بردہ فروشوں نے دو بچوں کو مٹھائی دے کر اغوا کر لیا۔ مبینہ طور پر ایک عورت اس میں شریک ہے۔

اس طوفانِ جرائم کو روکنے کی بھاری ذمہ داری حکومت اور عہدہ دارانِ حکومت

---

[1] دوسرے روز مبینہ طور پر جو تفصیلات اس واقعہ کی سامنے آئی ہیں وہ اتنی دردناک ہیں کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بھائی بے ہوش پڑا ہے اور بہن روئے جا رہی ہے۔ کوئی کچھ بتا نہیں رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شریف آدمی کو آج معاشرے میں ننگا کر دیا ہے اور چوراہوں میں بن مانس اس کی پٹائی کر رہے ہیں۔

چاہیے کہ ایسے واقعات پر سیاسی لیڈر اور علمائے کرام اور بڑے بڑے اخبار نویس اور وزراء اور ممبرانِ اسمبلی خود جائیں اور حالات معلوم کر کے اگر بات درست نکلے تو سخت نوٹس لیں۔ خواتین کی تنظیموں کو بھی وفود بھیجے جانے چاہئیں۔ پھر یہ لوگ ججوں سے اور آئی جی پولیس سے ملیں اور نقصان کے "ملزمین" کے رشتہ داروں (اور والدین) تک محلوں اور گاؤں میں جا کر ظلم کی ایسی داستانوں کی معلومات پہنچائیں۔ نیز ایسے قوانین بننے چاہئیں کہ کسی عورت کو نقصان نہ پہنچایا جا سکے۔ اور تفتیشی کارروائی کسی فوجی یا عدلیہ کے افسر کے روبرو ہونی چاہیے۔ کسی شخص کے پھیپھڑے اور اس کے دماغ، دل، گردے، جگر، تلی، آنتوں یا اعضائے مخفی کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ خلاف ورزی کی صورت میں ملازمت سے برطرفی کے ساتھ سرکاری سزا بھی دی جائے اور مظلوم کو تاوان بھی دلوایا جائے۔ ورنہ ایسے واقعات روز ہوتے رہیں گے اور اخباری شور کے بعد ہر قصہ رفت گزشت ہو جائے گا۔

اور اعضائے حکومت پر ہے۔ مگر حکومت کی چونکہ توجہ ہی دوسرے امور پہ ہے اور زندگی کے متعلق بنئے لوگوں کے نظریات ہی اور ہیں۔ لہٰذا سرکاری اثرات ایسے کاموں کے فروغ کا باعث ہیں، جو اسلام میں پسندیدہ نہیں ہیں۔ اور کئی ایسے کاموں کی مخالفت ہو رہی ہے جو اسلام میں مطلوب ہیں۔

خصوصاً یہاں جو مجموعی ماحول بنایا جا رہا ہے وہ سفلی جذبات کو اکسانے والا اور جنسی ہیجانات کی آگ کو بھڑکانے والا ہے۔ دوسری طرف اس وبا کے حملے کا شکار جو غریب مخلوق ہوتی ہے اس کے لیے انتظاماتِ حفاظت موجود نہیں ہیں کہ ایک شہری جان مال آبرو کے متعلق پورا اطمینان رکھتا ہو کہ میں نے اگر ووٹ دیئے ہیں اور ٹیکس دیتا ہوں تو مجھے "اسلامی ریاست کی سرپرستی" میں "امن" حاصل ہونا چاہیے۔ بدقسمتی سے یہاں تو خوف ہی خوف ہے۔ مجرموں کا بھی خوف، پولیس کا بھی خوف۔ حکومتوں کا بھی خوف۔

جمہوریت کے جس پیڑ پہ آم لگنے کی توقع لوگ باندھ رہے تھے۔ اس پر اب لکائن اور اندرائن کے کڑوے پھل اور تھوہڑ اور کیکروں کے نکیلے کانٹے لگ رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سابق گیارہ سالوں کی غلطیوں کی وجہ سے ہے۔ آخر اس سے پہلے سالوں کی بھی غلطیاں ہیں۔ اس سے پہلے کے ۳۰ سال کی ان غلطیوں کے زہریلے ریشے ہر طرف پھیل گئے ہیں۔ آج کی غلطیوں کو چھپانے کا یہ ایک اچھا فارمولا ہے کہ اپنے جذبۂ انتقام کے مطابق ایک دور کی پچھلی غلطیوں کی طرف توجہ موڑ دی جائے۔

سوال یہ ہے کہ بہ حیثیت چارہ گر جمہوریت نے آ کر مریض کے حالات کو کتنا بہتر بنایا اور خوف اور ظلم اور فحاشی اور محرومی اور پستیِ اخلاق کا کس درجہ استیصال کیا۔

اگر لادین مغربی جمہوریت کے تھنوں میں دودھ نہیں تو پھر ہم سے جمہوریت کی دیوی کی پوجا کیوں کراتے ہو؟

اس صورتِ حالات کا کوئی مداوا اسلام کے علاوہ نہیں ہے۔ اسلام جب تک

نظامِ حکومت و تعلیم و سماجی ماحول پر پوری طرح اثر انداز نہیں ہوتا، خدا کے نیک بندے اگر بستی بستی، محلّے محلّے میں ایک ایک فرد کو ایمان و اخلاق کا درس دینا شروع کر دیں، انہیں نماز اور قرآن سے وابستہ کریں، خدا اور رسول سے ان کا تعلق قائم کریں۔ ان کو منظم کریں، محلے کے محلے اور گاؤں کے گاؤں نیکی کے علمبردار اور بُرائی کے دشمن بن جائیں۔ اور آہستہ آہستہ اپنے ہم خیالوں کی تعداد بڑھاتے جائیں تو یہاں نیکی کا لشکر اتنا مضبوط ہو سکتا ہے کہ نہ کسی عورت پر اس طرح ظلم ہو، نہ بچوں کو اغوا کیا جا سکے۔ لوگ توحید پر قائم ہو جائیں، خدا کی عبادت کریں، حرام سے اجتناب کریں، ظلم کرنا چھوڑ دیں، اتفاق اور اتحاد سے رہیں اور اپنے آپ کو خدا کی فوج کا سپاہی، رسول اللہؐ کا مجاہد اور نیکی کا علمبردار سمجھیں تو بُرائی کی کوئی قوت اُن کے آگے ٹھہر نہیں سکتی[1]

ایسے لوگ جب پولیس میں بھی پہنچیں گے، فوج میں بھی پہنچیں گے، دفتروں میں بھی پہنچیں گے انتخابات میں بھی اُبھریں گے، پارلیمان میں بھی آواز اُٹھائیں گے تو حالات میں کچھ نہ کچھ تبدیلی تو آئے گی۔

---

[1] شیطان جو پاکستان میں بہت سرگرم ہے، اُس نے مخالفتِ رسولؐ کا یہ تازہ فتنہ کھڑا کیا ہے کہ مردوں عورتوں کے مخلوط کھیل ہوں، اور سب تماشائی دیکھیں اور جیسی تنگ لباسی کسی مُلک کی عورتیں چاہیں، اختیار کریں۔ اُوپر ذکر کردہ واقعات کی مظلوم خواتین کو ہم توجہ دلائیں گے کہ یہی مخلوط تفریحی محفلیں اور یہی بے لباسی اور فحاشی، جبری بدکاری کے طوفان کو بڑھا رہی ہیں۔ یہ نئی زنانہ تحریک بھی تمہاری تباہی کی ذمہ داری میں شریک ہے، جس نے شرافت و حیا کے ہر اسلامی تقاضے کو مُلّا کی شرارت قرار دے کر دین کا مذاق اُڑایا ہے۔ کیا اس قوم کے دینی، سیاسی رہنماؤں اور شرفاء میں کچھ بھی دینی حمیت ہے کہ وہ ایسے فتنوں کی روک تھام کریں۔ پاکستان اس طرح کی رنگ رلیاں منانے کے لیے نہیں بنایا گیا تھا۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

اس کام کے لیے نقیبانِ خدا اور داعیانِ حق کی ضرورت ہے جو حُسنِ کلام اور حُسنِ اخلاق کے ساتھ سماج کی بہترین قوتوں کو اپنے گرد سمیٹیں اور پھر مل جل کر وہ پاکیزہ اسلامی جمہوریت قائم کریں، جس کا فارمولا ہے: "خدا کے بندوں پر خدا کی حکومت، خدا کے قانون کے مطابق، خدا کے نیک بندوں کے ذریعے!"

یہ کام صرف تنہا جماعتِ اسلامی کا نہیں، بلکہ پوری ملّتِ اسلامیہ کا ہے، ہر شریف آدمی، ہر مذہب پسند آدمی، ہر محبِ پاکستان آدمی کو اس میں سچے دل سے قولاً بھی اور عملاً بھی شریک ہونا چاہیے۔

ورنہ خوفناک تباہی کے خطرے کے سگنل مِل رہے ہیں۔

---

(۲)

وفاقی شرعی عدالت کا ایک انقلاب آفریں فیصلہ سامنے آیا ہے جس کے تحت عدالت نے انتخابی قوانین وضوابط میں بعض تبدیلیوں کا حکم دے کر اور بعض مثبت اُمور کو لازم کر کے اسلامی اُصولِ انتخاب کا جھنڈا بلند کر دیا ہے۔ مبارک! صد مبارک!

دستور میں اُمیدوار (یعنی نامزد نمائندہ عوام) کے لیے جو لازمی شرائط اور جو وجوہِ نااہلیت اسلامی بنیادوں پر مختلف دفعات کے تحت ثبت تھیں، انتخابی مشینری اور قانون صریحاً ان کے خلاف جا رہے تھے۔ اس غلط صورتِ حال کو کتاب وسنّت کے خلاف قرار دے کر وفاقی شرعی عدالت نے پہلی بار اپنے نمائندوں کو چننے والے ووٹروں کو یہ حق دیا ہے کہ وہ مجوزہ نمائندوں کی درخواستوں کے آنے پر، نیز بعد کے سارے دَور میں کسی بھی وقت یہ دعویٰ دائر کر سکتے ہیں کہ فلاں فلاں نظریاتی، اعتقادی، اخلاقی، معاشی سماجی وجوہ سے فلاں شخص کو مرتبۂ نمائندگی سے محروم کیا جائے۔ نیز عدالت نے اپنے فیصلے میں یہ بھی ہدایت کی ہے کہ "اُمیدوار" یا نامزد نمائندے کو انتخابات میں سرمایہ کاری

کرنے کا کوئی حق نہیں ، چنانچہ ۱۵ ہزار روپے خرچ کرنے کی شق کو بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ خرچ اٹھانا یا تو کسی شخص کو کھڑا کرنے والے (PROPOSING CITYZENS) اصحاب کا کام ہے یا انتخابی کمیشن کا کہ وہ نمائندوں کے تعاون کے لیے ٹیلیویژن ، ریڈیو ، اخبارات اور نشری ذرائع سے انتظام کرے۔ خود "امیدوار" کو معمولی سا تعارفی لٹریچر شائع کرنے کی اجازت ہے۔ اس میں صرف اپنا تعارف اور صلاحیتیں یا خدمات بیان کی جاسکتی ہیں۔ کسی دوسرے کے خلاف کیچڑ نہیں اچھالا جاسکتا۔ فاضل عدالت نے مرکزی مقامات پر (اور شاید ہر حلقے میں بھی) ایسی اسکریننگ کمیٹیاں قائم کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ جو ریٹائرڈ ججوں ، تعلیمی ماہرین ، ذی مرتبہ علماء اور دیگر معززین پر مشتمل ہوں۔ ان کے سامنے کسی بھی امیدوار کے متعلق کوئی بھی ووٹر جاکر دعویٰ کرسکتا ہے کہ فلاں آدمی فلاں وجہ سے شرعاً نااہل ہے۔

مدیر تکبیر جناب صلاح الدین اور ان کے ایڈووکیٹ جناب خالد اسحٰق ، مدیر قومی ڈائجسٹ مجیب الرحمٰن شامی اور مدیر اردو ڈائجسٹ الطاف حسین قریشی کی دائر کردہ درخواست ، نیز دوسرے درخواست دہندگان ملک محمد عثمان ، حبیب الوہاب خیری ، مسٹر یاسین رضا ، عبدالرب جعفری وغیرہ اور بشیر احمد نوید کی درخواستوں پر کارروائی کرتے ہوئے ان کی اور وکلاء کی مدلل بحثیں سنیں۔ وفاقی حکومت کی جانب سے ۵ وکلاء اور نمائندے اور پنجاب ، بلوچستان اور سندھ سے اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل پیش ہوئے۔ عدالت نے مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر ممتاز علماء ، یونیورسٹیوں کے پروفیسروں ، معروف وکلاء اور دینی اسکالروں کی کثیر تعداد کو خود مدعو کیا۔

وفاقی شرعی عدالت کے فل بنچ میں چیف جسٹس جناب جسٹس گل محمد خان ، جسٹس عبادت یار خان ، جسٹس سید شجاعت علی قادری ، جسٹس مفتخر الدین اور جسٹس فدا محمد خان شامل تھے۔

بنچ کا فیصلہ لفظ بلفظ متفق ہے۔

اس فیصلے میں صدر پاکستان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۹ء تک قانونِ انتخاب

کو فیصلے کے مطابق تبدیل کر دیں، کیونکہ اس تاریخ کے بعد وہ دفعات کالعدم ہوں گی جن کے بارے میں عدالت نے اپنا فیصلہ دیا ہے۔

علما اور اسلامی حلقوں کے لیے یہ فیصلہ ایک مژدۂ جانفزا ہے، مگر یہ نتیجہ خیز اسی صورت میں ہوگا۔ جب کہ اس کے حق میں رائے عام کو خوب متحرک کیا جائے۔ ہر مسجد میں، ہر دینی اور سیاسی اجتماع میں محبانِ پاکستان کا فرض ہے کہ اس فیصلے کے حق میں قرار دادیں پاس کرائیں۔ اور اس کے پمفلٹ شائع کر کے تقسیم کریں۔

موجودہ لادین جمہوریت کے تحت، ملک کے اضطرابی حالات میں کسی نفع و نقصان کی پروا نہ کرتے ہوئے جن ججوں نے یہ فیصلہ دیا ہے۔ وہ اس قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ دینِ برحق کی جو خدمت اور پاکستان کے لیے جو بھلائی انہوں نے کی ہے اس پہ مدیر و قارئین ترجمان القرآن کی طرف سے حسنۃ فی الدنیا اور حسنۃ فی الآخرہ کی دعائیں۔

کیا بھروسہ ہے زندگانی کا

منصورہ کی آبادی میں شامل ایک شریف النفس اور درویش مزاج آدمی یکایک اس دنیا کو چھوڑ کر چلا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ یہ تھے چوہدری محمد اسحٰق سندھو!

عمر ۶۸ برس ہوگی۔ بھینی سندھواں (متصل منہالہ) تحصیل و ضلع لاہور ان کا گاؤں تھا۔ معلمی مشغلہ تھا۔ سنٹرل ماڈل سکول لوئر مال سے ریٹائر ہوئے تھے۔ ۱۹۶۷ء میں جماعتِ اسلامی سے رابطہ ہوا ۱۹۷۲-۷۵ء میں منصورہ میں تعمیر مکان کے لیے آ گئے۔ دل کی تکلیف تھی۔ دو مرتبہ دورے پڑ چکے تھے —— وہ دن بھر جمعیت طلبہ کے جلسے میں رہے اور شام کو اپنے مہمانوں کو اسٹیشن تک چھوڑنے گئے۔ زیادہ مشقت کے نتیجے میں رات دورہ پڑا اور ۱۵ اکتوبر کو ۴½ بجے صبح جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

مرحوم کی بیوہ اور ان کے صاحبزادگان و دختران کے صدمے میں ہم شریک ہیں۔ خدا سب کو صبر دے اور مرحوم پہ مغفرت فرمائے۔ آمین۔

حکمتِ سیّد مودودیؒ

اجتماعات کے لیے مولانا مودودیؒ کی ہدایات

۱۹۵۵ء کے کُل پاکستان اجتماعِ جماعت میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ نے ذیل کی ہدایات دیں:

یہ ہدایات تحریک کے علمبردارِ اوّل، اور اوّلین امیر جماعت مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے صرف اسی اجتماع میں افتتاحی خطاب کی شکل میں دیں۔ بلکہ بعد میں تو اس نوعیت کی ہدایات کا صدور مولینائے مغفور علیہ کی طرف سے کبھی نہیں ہوا۔ اپنی نوعیت کی یہ آخری تقریر یہ (ہدایات برائے اجتماع ارکان) ہے۔ اس چراغ سے آئندہ نت نئے چراغ روشن کیے جاسکتے ہیں۔ (ن۔ ص)

حمد و ثنا کے بعد:۔

رفقائے جماعت و حاضرین و حاضرات! سب سے پہلے میں اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج سے چودہ سال پہلے اسلامیہ پارک کے ایک چھوٹے سے کمرے میں جو جماعت صرف ۷۵ آدمیوں سے شروع ہوئی تھی اس مدت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو اس حد تک ترقی عطا فرمائی جیسی کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ جو کچھ بھی ہم کو حاصل ہوا ہے ہم نہایت بر خود غلط ہوں گے اگر یہ سمجھیں کہ ہماری قابلیت یا ہماری محنت و سعی کا نتیجہ ہے۔ ہم اپنی کوتاہیوں سے واقف ہیں، اپنی کمزوریوں سے واقف ہیں، اپنی غلطیوں سے واقف ہیں۔ ہم کبھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوسکتے کہ یہ ہم ہیں کہ جن کی قابلیتوں اور محنتوں سے اس کام کو اس حد تک ترقی حاصل ہوئی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس فضل

کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ اپنی ناقابلیتوں اور اپنی ساری کوتاہیوں کے باوجود اس کام کو جب ہم نے شروع کیا تھا تو اخلاص کے ساتھ اللہ کی خاطر کیا تھا۔ کوئی ذاتی غرض یا دنیوی غرض ہمارے پیش نظر نہیں تھی۔ میں یقین رکھتا ہوں، میرا دل اس بات پر گواہ ہے کہ صرف یہ اخلاص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ہماری ساری کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود اللہ کی مدد شاملِ حال ہوتی رہی۔ اللہ نے اپنے بہت سے بندوں کے دل اس کام کی طرف پھیرے ہیں۔ ہم کو برابر مددگار اور ساتھی ملتے چلے گئے ہیں ہم کو برابر اسباب و وسائل حاصل ہوتے رہے اور ہر طرح کی رکاوٹوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارا قدم آگے بڑھ رہا ہے۔ جو کام ہم نے کیا اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت عطا فرمائی۔ یہ ایک ایسا فضل ہے جس پر ہمارا رونگٹا رونگٹا اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہے میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی انسان یا گروہ غرورِ نفس میں مبتلا نہ ہو اور اپنے مالکِ حقیقی کے فضل اور اس کی عنایات کا سچے دل سے شکر ادا کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اپنے مزید فضل سے اس کو نوازتا ہے۔ میں خود بھی اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہوں اور اپنے سارے رفقاء سے بھی یہی کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں[1]۔

چار سال بعد ہمیں پھر آل پاکستان اجتماع کرنے کا موقع ملا ہے، اس عرصہ میں جن حالات سے ہم گزرے ہیں وہ آپ سب کو معلوم ہیں۔ اس لیے ان کے ذکر کی کوئی حاجت نہیں۔

---

[1] یہ عبارت پڑھ کر یوں محسوس ہوا، گویا مولانا مودودیؒ سامنے کھڑے خطاب کر رہے ہیں اور خدا کی محبت اور اس کے شکر کا ایسا رنگ یہاں ملتا ہے، جس کو دل ترس گیا ہے۔ مولانا کے ارشادات پڑھتے ہوئے ذرا سا بھی تصنّع اور فنی اثر اندازی کا اسلوب نہیں جھلکتا۔ مولانا کی اس مخلصانہ باتوں ہی نے تو جماعت کا تزکیہ کیا۔ اور یہی رنگ آگے ساری ہدایات میں جھلکتا ہے۔ ورنہ محض یہ کہہ دینا کہ یہ ہمارا حکم ہے یا ہمارا فیصلہ ہے، مریدانہ ذہن کے لوگوں کو باندھ رکھتا ہے، لیکن استدلال پسندوں اور طالبانِ ترغیب و ترہیب پر اثر نہیں کرتا۔

اگرچہ قواعد کی رُو سے اس سے بہت پہلے ہم کو اپنا اجتماع منعقد کرنا چاہیئے تھا۔ اور بارہا اس امر کی کوشش بھی کی گئی کہ اجتماع عام منعقد کیا جائے۔ غالباً ایک دو مرتبہ تاریخیں بھی مقرر کردی گئی تھیں، لیکن پے درپے اسباب ایسے پیش آتے چلے گئے کہ اجتماع ٹلتا رہا اور اب پورے چار سال کے بعد ہمیں پھر اپنے تمام پاکستان کے رفقاء کے ساتھ جمع ہونے کا موقعہ مل رہا ہے۔

ہمارے اجتماعات

اس موقعہ پر میں اس بات کی وضاحت کردینا سب سے پہلے ضروری سمجھتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی کے یہ اجتماعات کسی میلے یا کسی مظاہرے کی نوعیت نہیں رکھتے۔ یہ کوئی تفریح کا کام بھی نہیں ہے۔ اور کوئی نمائش کا کام بھی نہیں ہے۔ دراصل ان اجتماعات کو منعقد کرنے کی غرض یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً ہم باہم جمع ہوکر اپنے کام کا بھی جائزہ لیں اور اپنی کمزوریوں اور خامیوں کا بھی جائزہ لیں اور باہمی مشورے سے آئندہ کے لیے اپنے کام کا لائحہ عمل بنائیں۔ اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کو سمجھ کر ان کی اصلاح کی کوشش کریں۔ ایک دوسرے کی صحبت سے استفادہ کرکے جو کچھ بھی اخلاقی اور رُوحانی منفعت حاصل کی جا سکتی ہے وہ حاصل کریں۔ اور چونکہ ہمیں ایک منظم طریقہ سے کام کرنا ہے اور منظم کام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جتنے لوگ اس میں شریک ہوں وہ ایک دوسرے سے دِلی وابستگی رکھتے ہوں، ایک دوسرے کو سمجھتے ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھتے ہوں، اِس لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً تمام کارکن اور تمام رفقاء ایک جگہ جمع ہوں اور ان کے درمیان عمدہ روابط قائم ہوسکیں۔ وہ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں اور ایک دوسرے کے قریب آسکیں۔ اس لیے پہلے جتنے اجتماعات ہوتے رہے ہیں ان میں مَیں نے آغاز ہی میں اپنے رفقاء کو اور شرکاءِ اجتماع کو کچھ نہ کچھ ضروری ہدایات دی ہیں، لیکن چونکہ ایک کافی مدّت گزر چکی ہے۔ اس لیے اس بات کا امکان ہے کہ بہت سے لوگوں کو وہ ہدایات یاد نہ ہوں اور بہت سے نئے لوگ ان سے واقف نہ ہوں اس لیے،

میں چند ضروری باتیں عرض کر دینا چاہتا ہوں۔

ضروری ہدایات

زمانۂ اجتماع میں جب کہ سارے رفقاء، ارکان اور متفقین اور دلچسپی رکھنے والے جو باہر سے تشریف لائے ہیں اور اس جگہ مقیم ہیں۔ ان کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ یہ تین چار دن جو ہم کو ملے ہیں ان کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ یہاں اتنا مال اور وقت صرف کر کے جو اصحاب تشریف لائے ہیں انھیں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ وہ کسی تفریح سفر پہ نہیں آئے ہیں۔ ان کو اس وقت کا ایک ایک لمحہ اس مقصد پر غور کرنے کے لیے، اس مقصد کی کامیابی کی تدابیر پر غور و فکر کرنے کے لیے، اس مقصد کی کامیابی کے لیے باہمی تبادلۂ خیال اور باہمی گفت و شنید کرنے کے لیے خرچ کرنا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو غیر متعلق باتوں سے بچیں، جہاں تک ممکن ہو غیر متعلق فکر تک سے بچیں، پوری کوشش کیجیے کہ جس نصب العین کے لیے یہ جماعت بنی ہے اور جس نصب العین کے لیے اس جماعت میں شامل ہونے کا خطرہ آپ نے مول لیا ہے صرف اس کی کامیابی پر آپ کی توجہ مرکوز ہو۔ اس کو آگے بڑھانے کی تدابیر پر آپ غور و فکر کریں۔ اس کی مشکلات، اس کے اندر پیدا ہونے والی خرابیوں اور اس کی راہ میں پیش آنے والے کانٹوں کو ہٹانے کے لیے غور کریں۔ یہ پہلی چیز ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اس زمانۂ قیام میں تمام لوگوں کو بہترین اخلاق اور پاکیزہ ترین رویے کا اظہار کرنا چاہیے، نہ اس کے لیے کہ کوئی دیکھے تو تعریف کرے، بلکہ اس لیے کہ جس دین کے خادموں کی حیثیت سے آپ اپنے آپ کو پیش کر رہے ہیں۔ اس دین کے خادموں کا کوئی بُرا نمونہ آپ کے سامنے نہ آئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے بُرے نمونے کو دیکھ کر دین کی خدمت کے لیے آگے بڑھنے والے رک جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس نمونے کو دیکھ کر کوئی غیر مسلم یہ رائے قائم کرے کہ جس دین کے خادموں کا یہ حال ہو، جس دین کے خادموں کا یہ اخلاق ہو، جس دین کے خادموں کا یہ رویہ ہو، وہ کیا انسان بناتا ہو گا۔ اس لیے پوری کوشش کریں کہ ایک سچے مسلمان گروہ کا جو رویہ نشست و برخاست میں،

رہنے سہنے، کھانے پینے میں، میل جول اور گفتگوؤں میں ہونا چاہیے، وہی آپ کا ہو۔ کسی مجمع میں ایک نظر ڈال کر آدمی یہ معلوم کرسکتا ہے کہ یہ مجمع کس قسم کا ہے۔ اس مجمع کی ایک ایک ادا یہ بتا دیتی ہے اور ایک آدمی کے قلب پر فوراً یہ اثر پڑتا ہے کہ اگر وہ کوئی تفریحیں کرنے والا مجمع ہے تو اُس کے ٹھٹھوں اور قہقہوں سے فوراً ایک آدمی یہ اندازہ کرلیتا ہے کہ یہ دل لگی کرنے والے خوش باش لوگ ہیں۔ اگر وہاں سے جھگڑوں کی آوازیں آرہی ہوں، بحثوں اور مناظروں کی آوازیں آرہی ہوں تو فوراً ایک آدمی کے کان اُس کو یہ خبر دے دیتے ہیں کہ یہاں کچھ جھگڑالو لوگ ہیں، یہاں کچھ ایسے لوگ رہتے ہیں جو اُلجھنے اور اُلجھانے والے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی مجمع لوگوں کو سنجیدہ اور متین اور بااخلاق اور مہذب نظر آئے تو فوراً دلوں پر یہ اثر پڑتا ہے کہ یہ معقول لوگ ہیں، یہ شریف لوگ ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ کوئی شخص آپ کے مقصد سے اتفاق کرے یا نہ کرے، لیکن آپ کا رویّہ اس کے دل میں احترام بھی پیدا کرسکتا ہے اور اس کے دل میں بے احترامی بھی۔ یہ دوسری بات ہے جسے آپ کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ جن لوگوں کو یہاں ان تین چار دنوں میں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا نھیں ایک دوسرے کے ساتھ ایثار سے پیش آنا چاہیے۔ ایک دوسرے کے آرام کا خیال رکھنا چاہیے۔ ایک دوسرے کا مددگار اور ہمدرد ہونا چاہیے۔ ہر شخص اس امر کی کوشش کرے کہ میں خود تکلیف اُٹھالوں لیکن میری ذات سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ ہر شخص جو دوسرے کے قریب رہتا ہو اس کو ان ہدایات کا لحاظ رکھنا چاہیے جو قرآن اور حدیث میں ہمسایوں کے لیے آئی ہیں۔ ہمسایہ صرف اسی کو نہیں کہتے جو آپ کے مکان کے ساتھ رہتا ہو بلکہ ہمسایہ اس کو بھی کہتے ہیں کہ جو چند لمحوں کے لیے آپ کے ساتھ راستے میں ہو یا کسی مسافر گاڑی میں یا کسی عارضی قیام گاہ میں ہو۔ ہمسائے کے حقوق اچھی طرح سمجھیے اور ان کو پوری طرح ادا کیجیے۔ وہ بہت بُرا ہمسایہ ہے کہ جس کی ذات سے اس کے ہمسایوں کو تکلیف پہنچے۔ اور وہ بہت اچھا ہمسایہ ہے کہ جس کی ذات سے ہمسائے کو آرام پہنچے اور اس کے ہمسائے اس بات پر مطمئن ہوں کہ میرا

مال اگر اس کے قریب پڑا رہ جائے گا یا میرا راز اگر اس کے کان میں پڑ جائے گا تو یہ خیانت کرنے والا نہیں ہے۔ اس سے اس کا ہمسایہ پوری طرح مطمئن ہے۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ اس زمانۂ قیام میں باہر سے آنے والے لوگ محض مہمان بن کر نہ رہیں یہ ایک مشترک کام ہے، ایک مشترک مقصد کے لیے ہے۔ یہاں کے منتظمین اور باہر سے آنے والے دونوں اس مقصد میں شریک ہیں، اس لیے یہاں کے منتظمین جو زحمت اور تکلیف اُٹھا رہے ہیں ان کی میزبانی میں ان کا احساس کیجیے۔ حتی الامکان کوشش کیجیے کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے خود کر لیں اور منتظمین کو تکلیف نہ دیں۔ منتظمین اگر تھکے ہوئے نظر آئیں تو آگے بڑھ کر ان کی ڈیوٹی خود سنبھال لیں اور ان کو کہیے کہ ذرا آرام کر لیں۔ منتظمین اگر آپ سے درخواست کریں کسی مدد کی تو فوراً اپنی خدمات پیش کر دیجیے۔ اِلّا یہ کہ واقعی کوئی عذر مانع ہو۔ بہرحال میری یہ درخواست ہے کہ باہر سے آنے والے حضرات منتظمین کو کسی شکایت کا موقع نہ دیں اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایسا رویّہ اختیار کریں کہ منتظمین کا دل ان کا شکریہ ادا کرے۔

پانچویں چیز یہ ہے کہ زمانۂ قیام میں نظم و ضبط کا، ڈسپلن کا، قواعد کی پابندی کا پورا پورا خیال رکھیں۔ جو اوقات جن کاموں کے لیے مقرر ہیں ان کاموں کو انہی اوقات پر کیجیے اور کسی قسم کی بدنظمی یہاں نہ ہونی چاہیے۔ کیونکہ ہماری ساری کامیابی کا انحصار جن اخلاقی اوصاف پر ہے اُن میں سے ایک نظم و ضبط ہے۔ تمام بہتر سے بہتر اوصاف بھی اگر آپ جمع کر لیں۔ لیکن آپ کے اندر ڈسپلن نہ ہو تو آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ وہ موقع ہے کہ سارے پاکستان سے جماعت کی طاقت سمٹ کر یہاں جمع ہو گئی ہے۔ اس موقع پر اگر آپ کسی اِن ڈسپلن (IN DISCIPLINE) کا، کسی بے ضبطگی اور بدنظمی کا اظہار کریں گے۔ تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ پوری جماعت کو بے نظمی کی بیماری لگ گئی ہے۔ اس لیے یہاں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کامل ڈسپلن پایا جائے۔ ڈسپلن دیکھوں گا تو میری ہمت بڑھے گی۔ اور میں زیادہ کام کرنے کی ہمت پاؤں گا۔ اور بدنظمی دیکھوں گا تو میری ہمت ٹوٹ جائے گی۔ اور میں کچھ زیادہ کام کی نہیں سوچوں گا۔ اس بات کا بھی خیال رکھیے کہ اجتماعات کی کارروائیوں کے دوران میں لوگ اپنی قیام گاہوں میں لوگ پڑے نہ رہ جائیں۔ باہر ٹہلتے ہوئے نظر

نہ آئیں۔ غیر متعلق گفتگوؤں میں جا کر مشغول نہ ہو جائیں۔ بلکہ یہاں آکر پوری دلچسپی کے ساتھ سنیں۔ دلچسپی نہ بھی لے رہے ہوں تو بھی خاموشی کے ساتھ بیٹھے جائیں۔ اجتماع کی کارروائیوں کے درمیان میں کسی شخص کو اجتماع گاہ سے باہر نہ پایا جانا چاہیے۔ اِلّا یہ کہ اُسے کوئی شدید ضرورت ہو۔

تنقید و محاسبہ

اجتماع کی کارروائیوں کے دوران میں اس بات کو بھی ملحوظ رکھیے کہ ذاتی مقاصد اور ذاتی دلچسپیوں اور نفسانی تعصبات سے بالاتر ہو کر سوچیں۔ خالصتاً لِلّٰہ اس مقصد کے لیے جس کے واسطے آپ جمع ہوئے ہیں، خالص رائے قائم کیجیے اور اس کو بالکل آزادی کے ساتھ پیش کیجیے۔ اگر کوئی شخص ایک رائے رکھتا ہو اور اس کے خلاف دوسری رائے ظاہر کرے یا کم از کم اس کو چھپائے اور اس کو صاف صاف ظاہر نہ کرے تو یہ خدا کے دین کے ساتھ بھی خیانت ہے اور خدا کے خادموں کے ساتھ بھی خیانت ہے۔ بے لاگ رائے قائم کریں اور اس میں کوئی آلائش اپنے ذاتی مقاصد کی یا ذاتی تعصبات کی نہ ہو۔ اور جو رائے بھی فی الواقع آپ کی ہو، جب کبھی اظہار رائے کا موقع آئے اس رائے کو پیش کیجیے۔ نہ اس کو چھپائیں اور نہ اس کے خلاف کوئی رائے دیں۔ اس بات کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ دورانِ اجتماع میں اگر کوئی مباحث ہو، کوئی اختلاف رائے ہو تو محض بحث برائے بحث نہ ہو، ہر شخص اپنی رائے کو (TO THE POINT) اور BUSINESS OF کے انداز پر پیش کرے۔ تھوڑے وقت میں صاف صاف بات تھوڑے الفاظ میں ظاہر کرنے کی عادت ڈالیے۔ اور فضول طول کلام سے بچیں۔ یہاں تنقید کی، سوالات کی، اعتراضات کی، ہر چیز کی پوری آزادی ہے۔ لیکن ہر شخص کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ تنقید ہو، یا سوال ہو یا اعتراض ہو، وہ حدودِ اخلاق کے اندر ہونا چاہیے۔ نیت خالص کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اور سلیقہ کے ساتھ ہونا چاہیے۔ تنقید کرنا ہر اس شخص کا حق ہے جو کوئی رائے رکھتا ہو۔ اور اپنی رائے کے خلاف کوئی چیز پاتا ہو۔ لیکن تنقید کرنے کا سلیقہ یہ ہے کہ آدمی ایمانداری کے ساتھ رائے قائم کرے، اور تہذیب و انسانیت کے ساتھ اس کا اظہار کرے۔ جس پر تنقید کر رہا ہو اس کو کاٹنے

کی کوشش نہ کرے بلکہ اس کے دل میں اپنی بات اُتارنے کی کوشش کرے۔ دورانِ اجتماع میں پوری کوشش کیجیے کہ اگر کسی کو کسی سے کوئی ذاتی رنجش ہے تو وہ دل سے نکال دے۔ اور اپنا دل صاف کرے۔ نہیں کرسکتا تو کم از کم یہ ہے کہ اس ذاتی رنجش کی وجہ سے اجتماع کی کارروائیوں میں کوئی خرابی پیدا نہ کرے۔ اگر ارکان کے اجتماع میں ذاتی معاملات اور ذاتی اختلافات لائے جائیں تو صرف اس صورت میں لانے چاہئیں جب کہ اپنے طور پر بھی آدمی ان کو رفع کرنے اور اصلاحِ تعلقات کرنے کی کوشش کرکے ناکام ہو چکا ہو۔ اپنی مقامی جماعت کی مدد سے بھی وہ ان کی اصلاح نہ کرسکا ہو۔ اپنے حلقے کی جماعت سے بھی اصلاح نہ کرا سکا ہو۔ حتیٰ کہ مرکز میں بھی لا کر اصلاح نہ کرا سکا ہو۔ ذاتی معاملات کو صرف اس صورت میں اجتماع ارکان میں آنا چاہیے[1]۔

یہاں تک تو وہ باتیں ہیں جو مجھے صرف اپنے رفقائے جماعت سے کہنی تھیں۔ دوسرے حضرات جو اس اجتماع میں تشریف لائے ہیں۔ وہ مجھے معاف کریں کہ میں نے اتنی دیر صرف اپنے رفقاء کو خطاب کرنے میں صرف کر دی ہے۔ لیکن بہرحال چونکہ چار سال کے بعد یہ اجتماع ہو رہا تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ پہلے میں انہی سے خطاب کرتا۔

حوالہ....

حصولِ اقتباس بہ تعاون محمد یوسف صاحب

ادارۂ معارف اسلامی منصورہ، لاہور

---

[1] ہدایات پر مشتمل، ابتدائی حصہ تقریر یہاں ختم ہو جاتا ہے۔

اسلام میں عورت کی شہادت

محترمہ اُمِّ حسن صاحبہ - منصورہ، لاہور

(۴)

پھر اللہ تعالیٰ شریعتِ مطہرہ کے صرف چند اجزا نہ ماننے والوں کو انتباہ کرتا ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ - (بقرۃ - ۸۵)

"کیا تم کتابِ الٰہی کے کچھ اجزاء پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصوں کا انکار کر دیتے ہو، جو کوئی تم میں سے یہ کام کرے اس کے علاوہ اس کی کیا سزا ہو سکتی ہے کہ وہ دنیا وی زندگی میں بھی ذلیل و خوار رہو اور آخرت میں بھی انہیں سخت عذاب کی طرف لوٹایا جائے اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔"

چونکہ یہ مذموم عادت یہودیوں میں موجود تھی اس لیے قرآن کریم نے ہر جگہ ان کے لیے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ غور کیجیے کتنی کڑی سزا ہے۔ کیا اسلامی قانون کو مغربی رنگ دینے والے مسلمان اسی سزا کے مستحق بننا چاہتے ہیں؟

اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان کے غالب طبقۂ نسواں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے حقوق پہ کوئی گلہ شکوہ نہیں۔ کوئی اعتراض نہیں بلکہ وہ اسی کو اپنے لیے محفوظ جائے عافیت سمجھتی ہیں اور اس کے دامن میں پناہ لینے کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتی ہیں ویسے بھی مغرب کے تجربات نے اسلامی قوانین کی برتری پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے جس سے پاکستانی خواتین کے ایمان پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں۔

البتہ ہمارے ملک میں ایک افرنگ زدہ طبقہ ایسا موجود ہے جو اسلام کے ہر حکم پر اعتراض کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ اس کا طریق واردات یہ ہے کہ پہلے ایک بہت نادر الوقوع مگر اشتعال انگیز واقعہ گھڑ لیا جاتا ہے۔ پھر اس مفروضہ کو اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس اس کے تدارک کی صرف ایک ہی شکل باقی رہ جاتی ہے کہ اسلام کے دقیانوسی اور ظالمانہ" قانون کو چھوڑ کر مغرب کے بظاہر چمکتے دمکتے قوانین کو بے دھڑک اختیار کر لیا جائے۔ مقامِ صد حیف ہے کہ خود اہل مغرب آہستہ آہستہ صدیوں کے تجربے کے بعد اسلامی قوانین کی بہتری اور برتری کے قائل ہو رہے ہیں مگر ہمارے ہاں کے نام نہاد مرعوب مسلمان مغربی قوانین پہ مرے جا رہے ہیں اور اپنے ہاں کے جواہرات کو چھوڑ کر اُن کے سنگریزوں کو درآمد کر کے فخر محسوس کرتے ہیں۔

عورت کی نصف شہادت کے سلسلے میں ایک مفروضہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ کسی گھر میں یک دم ڈاکو آ گھستے ہیں۔ وہ بچوں اور صاحبِ خانہ کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ اور تمام مال و اسباب لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ صرف ایک عورت باقی رہ جاتی ہے۔ اب اسلام حدود و قصاص کے مسئلے میں عورت کی شہادت کو سرے سے تسلیم کرتا ہی نہیں ہے، یا کرتا ہے تو آدھا، اِس مظلوم و بے بس عورت کا اتنا جانی و مالی نقصان پہلے ہو چکا۔ اب اس کی گواہی بھی ادھوری ہے۔ وہ کرے تو کیا کرے؟ کہ اس کے مال کی بازیافت بھی ہو سکے اور مجرموں کو قرار واقعی سزا بھی مل سکے؟

اس طریقِ واردات کا مقصد عورتوں کو اشتعال دلا کر اسلامی قوانین سے برانگیختہ

کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ آخر ہماری روشن خیال بیگمات عالمی نسوانی کانفرنسوں میں کیا منہ دکھائیں گی۔

لیکن اگر ذرا ٹھنڈے دل سے صورتِ حال کا تجزیہ کیا جائے تو یہ اتنی مایوس کن نہیں ہے، جتنی فرض کر لی گئی ہے۔

اس صورتِ حال کا فیصلہ کرنے سے پہلے میں آپ سے پوچھنا چاہوں گی کہ کیا اتنا تشدد دیکھنے کے بعد وہ عورت اپنے ہوش و حواس برقرار رکھ سکے گی؟ کیا وہ اس قابل ہو سکتی ہے کہ تمام جزئیات کا ٹھیک ٹھیک مشاہدہ کرے، ٹھیک ٹھیک اس کو یاد رکھ سکے اور پھر بلا کم و کاست درست گواہی دے سکے۔

بلاشبہ بعض عورتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کا مشاہدہ قتل، چوری اور عصمت دری کی بھیانک وارداتوں میں قابلِ اعتماد قرار دیا جا سکے اور وہ انہیں عدالت کے سامنے ٹھیک طریقے سے پیش بھی کر سکیں۔ مگر بہ حیثیت ایک نوع کے عورت اس کی متحمل نہیں ہے۔ اور قانون ہمیشہ اکثریت کو ملحوظ رکھ کر وضع کیا جاتا ہے۔ کیا یہ معقولیت ہے کہ اسلام جیسے ابدی اور ہمہ گیر قانون کی بنیاد عمومی اور کثیر الوقوع حالات کے بجائے اس قسم کے شاذ اور نادر الوقوع حالات پہ رکھی جائے؟

مندرجہ بالا مخصوص واقعہ ایک استثنائی واقعہ ہے اور اس کا فیصلہ بھی استثنائی ہی ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ عورت عدالت میں گواہی دے گی (اگر وہ دینے کے قابل ہے تو) آدھی اُس کی گواہی اور آدھی گواہی قرائن سے پوری کی جائے گی۔ قرائن یعنی ملزم کے ہاتھوں کے نشانات دیگر آلاتِ جاسوسی وغیرہ۔ اور اس طرح فیصلہ مکمل ہو سکے گا۔ اور اگر عورت بالکل ہی گواہی دینے کے قابل نہ ہو تو اس کے تندرست ہونے کا انتظار کیا جائے۔ اور جب اس کی دہشت دُور ہو تو اُس کی گواہی اور قرائن کی گواہی مِل کر فیصلہ کُن ثابت ہوں گے۔ جج ملزم کو تعزیراً پھانسی بھی دے سکتا ہے۔ مجرم کسی حال میں بھی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

ھٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

آخر میں ایک گذارش !

اگر ہم اس طرح اہلِ مغرب کے سامنے پسپا ہونے لگیں تو اسلام کے کس کس قانون پر نشتر چلائیں گے ۔ کہاں کہاں سے بدنامی کا داغ دھوئیں گے ۔ اس طرح تو پھر اسلامی عقاید کی خیر نہیں ۔ پھر تو ہمارے ایمان اور دین کا پورا سرمایہ ہی جدید زمانے کی مصلحتوں پر قربان ہوتے ہوتے دریا بُرد ہو جائے گا ۔ اپنے دین و ایمان کو بچانے کی صرف ایک ہی سبیل ہے کہ پوری مومنانہ جرأت اور اخلاقی قوت کے ساتھ دلائل کی قوت سے کام لیکر یہ ثابت کیا جائے کہ جس چیز کو دشمن اسلام بدنامی کہہ رہے ہیں ، وہی دراصل نیک نامی کا طرۂ امتیاز اور دورِ جدید میں مسلمانوں کا سرمایۂ افتخار ہے ۔ پس دماسوا نسوانی مسائل) عورت کی نصف شہادت کے سلسلے میں بھی ہمیں یہی راہ اپنانی ہوگی ۔ کیونکہ یہ مسئلہ بھی تائیدات قرآن وسنت ، تعاملِ صحابہ اور اجماعِ اُمت کی روشنی میں ایک مُسلّمہ مسئلہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے ۔ اب اس کے خلاف انفرادی اجتہاد کا کوئی وزن نہیں ۔ عالمِ اسلام کے تمام فقہاء وعلماء عورت کی نصف شہادت کے مسئلے سے اختلاف نہیں رکھتے ۔ پوری اُمت کا فقہی سرمایہ ایک طرف ہو اور چند لوگ شذوذ کی راہ ــــ اختیار کریں تو پھر یہ لوگ اپنا مقام خود ہی متعین کر لیں ــــ ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی ۔

اس مقالہ کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے ۔

مختصر تفاسیرِ قرآن کے علاوہ :۔

ــــ اسلام اور عورت پر کیے گئے اعتراضات کا جائزہ ۔ از سید جلال الدین عمری ۔

ــــ عورت اسلامی معاشرہ میں ۔ ” ” ” ”

ــــ رسائل و مسائل حصہ ہفتم از ملک غلام علی

ــــ اسلام اور جدید ذہن کے شکوک وشبہات از محمد قطب

ــــ المرأۃ بین الفقہ والقانون از ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی

پاکستان کی سالمیّت اِسلام سے وابستہ ہے

جناب حافظ محمد ادریس صاحب

پاکستان دنیائے اسلام میں واحد ملک ہے جو نظریے کی بنیاد پر وجود میں آیا۔ اس کی تخلیق سے قبل برصغیر کے ہر بچے بوڑھے کی زبان سے یہ نعرہ سنا جاتا تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اگر یہ ملک صحیح معنوں میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے رنگ میں رنگ جاتا تو آج اکتالیس سال گزرنے کے بعد دنیا میں اس کا ایک مقام ہوتا۔ اسلامی ممالک کی قیادت بلا اختلاف اس کے ہاتھ میں ہوتی اور اسلام دشمن قوتیں اس سے خوف محسوس کرتیں۔ مگر واحسرتا! آزادی کے بعد ہمارے حکمرانوں اور پالیسی سازوں نے اس ملک میں اسلامی نظام کا راستہ پوری قوت سے روکا اور آزادی سے قبل کے تمام اعلانات کی من مانی تشریح کی۔ اسے منافقت اور دورنگی کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے؟

اس منافقت کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان اندرونی و بیرونی فتنوں کی آماجگاہ بن کر رہ گیا۔ دشمنوں نے سازشوں کے جال پھیلائے اور اس گھر کے بھیدیوں نے ان سازشوں کو عملی جامہ پہنایا۔ گھر کو گھر کے چراغ سے آگ لگنے کا منظر کتنا دلدوز اور اندوہناک تھا۔ اسلام جو ہمیں ایک قوت عطا کرتا ہے فراموش کر دیا گیا۔ قرآن نے جس اخوت کا درس دیا تھا اسے درخور اعتنا نہ سمجھا گیا۔ قومیت کا بت گھڑا گیا اور اس کے استھان پر ہزاروں قیمتی اور بے گناہ جانوں کی بھینٹ چڑھائی گئی۔ بنگلہ دیش کی صورت میں ایک بازو کٹ گیا اور اندرا گاندھی کو یہ جرأت ہوئی کہ اس نے آگ فشانی سے یہ ہرزہ سرائی کی "دو قومی نظریے کو ہم نے خلیج بنگالہ میں غرق کر دیا ہے"۔

ہماری بدقسمتی ملاحظہ فرمائیے کہ اس کے بعد بھی ہماری آنکھیں نہ کھلیں۔ ہم اللہ اور اس کے رسول کی بغاوت سے باز نہ آئے۔ ہمارے شب و روز میں اصلاح کی بجائے مزید فساد پھیلتا چلا گیا۔

اصولی طور پر جب ہم نے اسلامی اخوت کی بنیاد پر اپنی ملی زندگی کو استوار کرنے سے انکار کر دیا تو ہمارے ملک کا وجود اور اس کی بقا مشکوک ہو کر رہ گئی۔ ہندوستان کی تقسیم محض اس وجہ سے ہوئی تھی کہ ہم ایک اسلامی ملت ہیں، ہمارا اپنا نظام زندگی ہے جس کی حدیں قرآن و سنت میں بیان کر دی گئی ہیں اب اگر ہم اس اصول سے انحراف کرتے ہیں تو ہمارے وجود کا کیا اخلاقی و منطقی جواز باقی رہ جاتا ہے؟ اسلامی اخوت کی غیر موجودگی میں ہمارے مخالفین نے ہمیں تر نوالہ جانا۔ وہ ہم پر ہر جانب سے جھپٹے۔

اسلامی اخوت کی غیر موجودگی میں ہماری ملی زندگی میں ایک خلا واقع ہو چکا تھا۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لیے بنگالی قومیت نے سب سے پہلے یلغار کی۔ مرض کا بروقت علاج کیا جاتا تو شاید اس کے جراثیم پورے جسم میں نہ پھیلتے مگر اسباب حل و عقد کو اپنی رنگ رلیوں سے کہاں فرصت تھی کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ اس موضوع پر سوچتے؟ یہ مرض جب لا علاج ہوا تو ایک عضو جسم کٹ گیا۔ اسے کاٹا بھی کسی ڈاکٹر کے نشتر نے نہ تھا بلکہ ڈاکو کے خنجر نے یہ کام سر انجام دیا۔ بھٹو ادھر ہم ادھر تم کا نعرہ لگا کر ہر قیمت پر وزیر اعظم بننا چاہتے تھے۔ مجیب بنگلہ دیش کے بابائے قوم بننے کا تہیہ کیے ہوئے تھے اور اندرا گاندھی صدیوں کی شکست کا بدلہ چکانے کے لیے میدان میں آ چکی تھی۔ یحیٰی خان محمد شاہ رنگیلا کا روپ دھارے لہو و لعب کے سوا سب کچھ بھول چکا تھا۔ یوں ہر ایک نے اپنی مراد پائی اور اول الذکر تینوں کردار فاتح بن کر میدان سے نکلے۔ ایسی جنگ بھی تاریخ نے کبھی نہ دیکھی تھی جس میں ہر حریف کو فتح مل جائے۔ شکست بے چارے پاکستان کے مقدر میں آئی۔

آپ خطرے سے آنکھیں بند کر کے سب اچھا کا ورد کرتے رہیں گے تو بھلا اس سے خطرہ ٹل جائے گا؟ "تالیاں بجاؤ موئے بھاگ جائیں گے" کا نسخہ تاریخ میں کبھی کارگر ثابت نہیں ہوا۔ ایک بازو کٹوانے کے بعد بھی جب ہم نے ہوش نہ سنبھالا تو سندھی قومیت، بلوچ قومیت، پختون قومیت، پنجابی قومیت اور اب نیا نعرہ مہاجر قومیت کی صورت میں باقی ماندہ جسم کا مثلہ کرنے کے لیے بے چین ہیں۔ پھر جب یہ سلسلہ شروع ہو جائے تو کہیں رکتا نہیں بلکہ تقسیم در تقسیم کا عمل جاری رہتا ہے۔ سرائیکی، پوٹھوہاری ہندکو، ریاستی غرض بہت سی پگڈنڈیاں نکلتی ہیں۔ اندرون سندھ میں پنجابی اور پختون کے خلاف فضا

تیار کی گئی اور ان کی زمینوں پر قبضہ کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ مار دھاڑ، قتل و غارت، آتش زنی اور لوٹ کھسوٹ کی وبا پھیلی تو خود سندھی سندھ کے اندر اس کا نشانہ بننے لگے۔ میرے ایک نہایت ثقہ سندھی دوست نے مجھے بتایا کہ اس کی اپنے ضلع لاڑکانہ میں جتنی زمین ہے اس میں دھان کی فصل تو بہت اچھی ہوتی ہے مگر اس کے علاوہ کوئی دوسری فصل اچھی پیداوار نہیں دیتی۔ دو سال پہلے اس نے ضلع نواب شاہ میں کچھ زمین ٹھیکے پر لی اور اس میں کپاس، گنا اور گندم کاشت کی۔ ایک آدھ فصل اٹھانے کے بعد مقامی آبادی کے کچھ لوگوں نے اس کے خلاف سخت زہریلا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ شرپسند عناصر نے کھڑی فصلوں کو نقصان پہنچایا اور بعض کھیتوں کو آگ بھی لگا دی۔ اس سارے ڈرامے میں قابلِ غور اور قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ نفرت کی جو دیواریں غیر سندھیوں کے خلاف چنی گئی تھیں اب وہی دیواریں سندھی آبادی کی مزید تقسیم و تفریق کا باعث بننے لگیں۔ اب اس نفرت کی بنیاد بالائی سندھ اور زیریں سندھ کو بنایا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قومیت کے نام پر جو شعلے بھڑکائے گئے تھے اور قوم پرستوں نے جن کے بارے میں یہ گمان کیا تھا کہ ان کا رُخ سندھی بمقابلہ غیر سندھی ہوگا۔ اب یہ آگ پھیل کر خود سندھی آبادی کے درمیان عداوت اور منافرت کا سبب بن گئی ہے۔

سندھ بلوچستان اور سرحد میں علاقائی اور نسلی نعرے دیر سے لگ رہے تھے مگر حال ہی میں پنجاب میں بھی ان کی بازگشت سننے میں آ رہی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ابھی پنجاب میں یہ نعرے نچلے سروں میں اور اکا دکا مقامات پر سنائی دیتے ہیں مگر آگے چل کر ان میں تیزی بھی آ سکتی ہے۔

پنجاب کا خطہ روایتی طور پر سالمیت پاکستان کا علمبردار رہا ہے مگر اسے مسلسل گالیاں دے کر اشتعال دلانے کی بارہا کوشش ہوئی۔ میرے نزدیک جی ایم سید اور اس کے حواری پنجاب کو اس سوچی سمجھی سازش کے تحت مطعون کرتے رہے ہیں کہ ان کے جواب میں کوئی پنجابی بھی اسی لب و لہجے میں سرزمین سندھ اور اہلِ سندھ کا ذکر کرے اور پھر خوب تالی بجے۔ موجودہ وفاقی وزیر تعلیم غلام مصطفیٰ شاہ کی وہ مغلظات جن کا ان دنوں بہت شہرہ ہے بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اگر پنجاب سے کسی نے غلام مصطفیٰ شاہ کی طرح سندھ کے خلاف ہرزہ سرائی کی حماقت کی تو اس سے وطن عزیز کو فائدہ پہنچنے کی بجائے نقصان ہوگا۔ غلام مصطفیٰ جیسے نام نہاد سکالروں کا جن کی شناخت ان کی یاوہ گوئی اور علاقائی منافرت پھیلانا ہے جواب تو دیا جانا چاہیے مگر وہ جواب پنجاب بنام سندھ نہیں ہونا چاہیے۔

پنجاب میں حنیف رامے صاحب بھی پنجاب کا مقدمہ لڑ کر علاقائی عصبیت کی تجارت چمکانا چاہتے تھے مگر انہیں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اگر پنجاب بھی پاکستان کی سالمیت کا نعرہ چھوڑ کر علاقائی عصبیت میں مبتلا ہو گیا تو پھر اس ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔ پیپلز پارٹی نے پنجاب کے اس قومی اور ملی تشخص کو داغدار کرنے کے لیے ایک خاص منصوبہ بندی کی ہے۔ پنجاب میں بولی جانے والی مختلف بولیوں کی بنیاد پر وہ پنجاب کے اندر تفرقہ ڈالنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے۔ پیپلز پارٹی کے کرتا دھرتا یہ سمجھتے ہیں کہ پنجابی بالآخر جھنجھلا کر اپنے ردعمل کا اظہار کرے گا۔ پنجاب اس وقت ایک بہت بڑی آزمائش سے دوچار ہے۔ غلام مصطفےٰ شاہ جیسے چند لوگوں کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو سندھ کے باسی اتنے خوش اخلاق، بامروت مہمان نواز اور مخلص ہیں کہ ان سے جہاں کہیں ملاقات ہو باہمی تبادلہ خیالات میں اگر وہ کسی بات سے اختلاف بھی کریں تو نہایت شائستہ انداز میں اپنے دلائل پیش کرتے ہیں۔ سندھ باب الاسلام ہے۔ صوفیائے کرام اور مجاہدین کی سرزمین ہے۔ پنجاب کو اگر کوئی ناہنجار گالی دیتا ہے تو دیتا رہے جواب میں کوئی سنجیدہ پنجابی سندھ کو کبھی گالی نہیں دے گا۔

سندھ کے اندر سندھی اور مہاجر کشمکش بھی از حد تشویش ناک ہے۔ اس کشمکش میں دونوں جانب معصوم جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ عام لوگ اس قتل و خون سے سخت نالاں ہیں مگر چند شرپسند یہ سارا کھیل کھیل رہے ہیں۔ شرپسندوں کو کھل کھیلنے کا موقع اسی وقت ملتا ہے جب حالات ان کے لیے سازگار ہوں یہ حالات محض اس وجہ سے شرپسندوں کے لیے سازگار ہوئے کہ ہم نے پاکستان کو ایک اسلامی ریاست نہ بنایا۔

پاکستان ایک نظریے کی بنیاد پر وجود میں آنے کے باوجود آج مختلف قومیتوں کے جزیروں میں بٹا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ صورت حال ہر محب وطن شہری کے لیے خواہ اس کا تعلق پنجاب سے ہو یا سرحد سے بلوچستان سے ہو یا سندھ سے وہ آزادی سے پہلے اس خطے میں قیام پذیر ہو یا آزادی کے بعد بھارت سے ہجرت کر کے آیا ہو از حد تکلیف دہ ہے۔

مجھے اگست کے آخری عشرے میں اسلامی جمعیت وکلا صوبہ پنجاب کے ایک تربیتی کیمپ میں خانس پور (صوبہ سرحد) میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک رات عشاء کی نماز اور کھانے کے بعد جبکہ تربیتی کیمپ کے اکثر شرکاء سونے کی تیاری کر رہے تھے میں تربیتی کیمپ کے باہر سڑک پر ٹہل رہا تھا۔

ذہن میں یہی سوال کانٹا بن کر چبھ رہا تھا کہ پاکستان کے باسی کیوں نفرت کے الاؤ جلا رہے ہیں ؟ ان کے رب غفور نے انہیں کتنا اچھا وطن دیا ہے جس میں ہر نعمت کی فراوانی ہے ! یہ شکر کیوں نہیں کرتے؟ کیا کفرانِ نعمت کا یہ رویہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف نہیں ہے ؟ یہ کیسے آپس میں شیر و شکر ہو سکتے ہیں ؟ سوالات کا لامتناہی سلسلہ ذہن کے سمندر میں جوار بھاٹا بن کر لہریں اٹھا رہا تھا۔ اچانک قریب ہی کسی پہاڑی کی چوٹی سے کسی نوعمر لڑکے کی سریلی آواز گونجی۔ وہ مولانا حالی کے اشعار سوز و گداز کے ساتھ پڑھ رہا تھا۔ بچپن سے بارہا یہ اشعار پڑھے اور سنے تھے مگر اس رات خاموش فضا میں ان اشعار سے ایک عجیب کیفیت دل پر طاری ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ ذہن میں اُٹھنے والے تلاطم خیز سوالوں کا جواب مولانا حالی کے ان اشعار میں پنہاں ہے ۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے درگزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا
مِس خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

مسدس حالی کئی مرتبہ پڑھی تھی اور مسدس کا یہ حصہ تو مختلف لوگوں کی زبان سے کبھی تحت اللفظ کبھی ترنم کے ساتھ بارہا سنا تھا مگر اس شب جو لطف آیا وہ اس سے قبل کبھی نہ آیا تھا۔ پڑھنے والا دیر تک پڑھتا رہا اور میں سنتا رہا ۔

آپ بھی غور کیجئے ہمارے یہاں جتنے مفاسد پائے جاتے ہیں کیا اس کی بنیادی وجہ یہی نہیں کہ ہم حرا سے نسخہ کیمیا لانے والے کے دامن سے اپنی وابستگی کھو چکے ہیں۔ اس نے جنگ میں ملوث اور خون ریزی کے رسیا قبائل کو باہم شیر و شکر کر دیا تھا۔ اس نے ایک کلمے کی بنیاد پر ساری عصبیتوں کے بت پاش پاش کر کے اسلامی اخوت کا بہترین اصول قائم کیا تھا۔ آج بھی ہم بھائی بھائی بن سکتے ہیں تو محض اس بنیاد پہ کہ ہم سب نبیؐ رحمت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم تھام لیں۔

آج ہمارا بیڑا منجدھار میں ہچکولے کھا رہا ہے۔ ساحل دور ہے اور موجیں منہ زور، بادِ مخالف ہے اور چپو شکستہ۔ اس موجِ بلا سے نکلنے کا راستہ موجود ہے مگر ہم ہی کوتاہ بین اور کم سواد ہیں کہ اپنی تباہی کو دعوت دے رہے ہیں۔ ہوا کا رخ اِدھر سے اُدھر بدل سکتا ہے۔ یہ تاریخ میں بارہا بدلا ہے یہ کوئی دیوانے کی بڑ نہیں بلکہ تاریخ نے اس کی صداقت پر بارہا مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ غریبوں کی مرادیں بر آنے کی محض ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ رحمت اللعالمین کے دامن رحمت میں پناہ لی جائے۔

اللہ تعالیٰ حضرت حالی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات سے نوازے اور خانس پور کی پہاڑی سے اشعارِ حالی سوزِ دل اور گداز دروں سے پڑھنے والے نوجوان کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ مجھے مایوسیوں کے اندھیروں کے درمیان روشنی کی کرن نظر آتی ہے۔ یہ ملک امن کا گہوارہ بنے گا۔ یہ وہی وطن ہے جہاں سے میرِ عرب کو ٹھنڈی ہوا آئی تھی۔

؎ میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے۔

جوابِ آں غزل

خلافتِ معاویہ و یزید پر تحقیقی نظر

جناب ڈاکٹر سید رضوان علی صاحب

ڈاکٹر سید رضوان علی صاحب کا ایک اچھا مضمون ترجمان القرآن (جون ۱۹۸۹ء) میں شائع ہوا جس میں ایک اور صاحب (کرماتی صاحب) کے شائع شدہ مضمون کے جواب میں ثابت کیا گیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت حدیثِ صحیح، تاریخ و سیر اور علمائے اُمت کے اجماع کی رُو سے جناب ابوطالب نے کی تھی۔ اس پر نہ معلوم کیوں جناب احمد نور صاحب نے سید رضوان علی صاحب کو ایک معترضانہ خط لکھا۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ سید رضوان علی صاحب نے اپنے وسیع تاریخی مطالعہ، اپنے دینی تفکر اور پورے جوشِ تحریر کے ساتھ جواب لکھا جس میں بڑی مفید معلومات ہیں۔ یہ تحریر قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ اس سلسلے میں بیکار کی بحثا بحثی ہم جاری نہیں رکھنا چاہتے۔ (نعیم صدیقی)

محترمی جناب احمد نور صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کا طویل مکتوب مورخہ ۷ رجنوری مجھے بروقت ملا تھا، مگر معاف کیجیے میں ایک کام میں مصروف تھا، بروقت جواب نہ دے سکا۔ اب یہ فریضہ ادا کر رہا ہوں۔

آپ کافی معمر اور بزرگ آدمی ہیں۔ اپنا کوئی خاص تعارف آپ نے نہیں کرایا (صرف عمر ۷۲ سال لکھی ہے) اور مجھے بھی آپ اچھی طرح سے نہیں جانتے۔ آپ نے میرا

ترجمان القرآن میں شائع شدہ مضمون "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کس نے کی ابو طالب نے یا زبیر بن عبدالمطلب نے؟" غالباً غور سے نہیں پڑھا۔ اور اس پر کافی طویل خط ۴ صفحوں کا تنقید و نصیحت میں لکھ دیا۔ بہر حال میں نے آپ کے مشورہ پر عمل کیا اور محمود احمد عباسی کی "خلافت معاویہ و یزید" ایک صاحب سے لے کر تفصیل سے مطالعہ کی۔ اور مجھے یہاں بھی علمی بد دیانتی نظر آئی۔ جس کا شکوہ اپنے مضمون میں میں نے کرمانی صاحب پر تنقید کرتے ہوئے کیا تھا، یعنی اس میں بھی صرف "لا تقربوا الصلوٰۃ" لکھا گیا ہے اور "وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی" کو بالکل حذف کر دینے والی بات ہے۔ یہ میں نے تمثیلاً عرض کیا ہے، بڑی ہی غیر علمی اور بیہودہ کتاب ہے۔ میں نے اس موضوع پر اپنی لائبریری میں سے پچیس تیس کتابیں اس درمیان میں مطالعہ کی ہیں۔ اور ان شاء اللہ اس پر ایک مفصل تنقید لکھوں گا۔

آپ کو غالباً معلوم نہیں ہے کہ میں نے دمشق یونیورسٹی میں پڑھا ہے اور کیمبرج سے پی۔ایچ۔ڈی کے بعد ۴۲ سال تک عرب یونیورسٹیوں میں اسلامی تاریخ پڑھائی ہے۔ آپ نے جس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ یہ میرا پیشہ ہے۔ میرے مآخذ اصلی عربی زبان میں ہیں۔ آپ شاید اصل مراجع کو نہ دیکھ سکے ہوں۔ اس لیے آپ اور کئی اصحاب محمود عباسی کے عربی حوالوں اور اقتباسات سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اس بندۂ خدا نے تو کہیں کہیں صحیح ترجمہ بھی نہیں کیا۔ میں نے تو عربوں کی عربی زبان درست کی ہے اور خود میری عربی زبان میں چھ تصانیف ہیں۔ تاریخ و سیر پہ میرا مآخذ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "خلافت و ملوکیت" نہیں۔ میں ان تمام امور کو ان کی کتاب سے پہلے سے جانتا ہوں بلکہ میرے پاس بعض وہ مآخذ ہیں جن کا مولانا نے ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ وہ مورخ نہیں تھے، بلکہ ایک انتہائی گہری نظر رکھنے والے مخلص عالم اور داعی تھے۔ ان کی کتاب میں نے پہلے عربی ترجمہ میں اور پھر اردو میں پڑھی تھی۔ اور میری نظر میں اس کی بڑی قدر ہے۔ مولانا مرحوم نے امیر معاویہؓ کے خلاف جو بعض شواہد پیش کیے ہیں، میرے پاس اس سے زیادہ معتبر اور اہم شواہد ہیں، مگر میں امیر معاویہؓ کا

صحابی ہونے کی وجہ سے احترام کرتا ہوں - اگرچہ ان کا درجہ کبار صحابہ کے برابر نہیں۔

جہاں تک شیعہ فرقہ کی ریشہ دوانیوں کا تعلق ہے۔ اس کا مجھے بخوبی علم ہے۔ ایک نجدی طالب علم نے ریاض کی اسلامی یونیورسٹی میں میری زیر نگرانی عبداللہ بن سبا پر ایم۔فل (M. PHIL) کا THESIS لکھا تھا عربی زبان میں، سو مجھے آپ کیا روافض کی ریشہ دوانیوں کا حال بتاتے ہیں - میں آپ کو اس موضوع پہ دسیوں کتابوں کا نام بتا سکتا ہوں، مگر عربی میں۔

آپ کا عباسی کی کتاب کا تاثر "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" میرے نزدیک یہ ہے کہ "اور جہاں" تو ہیں مگر یہ تاریک ہیں - دیکھیے میرے بزرگ (میری عمر بھی ۷۱ سال کی ہے) اہلِ سنّت والجماعت کے معتقدات پہ قائم رہنے میں ہی فلاح مضمر ہے - شیعہ فرقہ (جن میں کے بعض غالی فرقے) قدیم علمائے اہلِ سنّت جیسے امام ابوالحسن علی الاشعری، عبدالقاہر بغدادی، امام ابن حزم وغیرہ کے نزدیک مسلمان نہیں۔ انہی میں سے قرامطہ اور آغا خانی بھی ہیں - جن کے سرشاہ سلطان محمد آغا خاں کی آپ کے عباسی صاحب نے بڑی تعریف کی ہے - اور جس کو میں نے ذاتی طور پر اس کی بیگم حسینۂ عالم کے ساتھ قاہرہ میں ۱۹۵۴ء میں انڈین سفارت خانہ کی پارٹی میں دیکھا تھا) - جی تو اس شیعہ فرقے سے بدتر خوارج رہے ہیں، جن کی مذمت احادیثِ صحیحہ میں آئی ہے اور ان سے قتال کی ہدایت ہے، اُن کے بعض فرقے بھی صلحائے اُمّت نے کافر قرار دیے ہیں - کیونکہ وہ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے تھے، ان کے بیوی بچوں کو غلام بناتے تھے اور ان کی مساجد کو اصطبل - آپ نے ان میں سے ازارقہ اور صُفریہ کے بارے میں کچھ پڑھا ہے؟ اور ان میں سے ایک بدذات عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے سیّدنا علیؓ کو قتل کیا - ان کو اہلِ بیت النبی علیہ السلام سے بغض و کدورت تھی - یہی میں نے عباسی کی کتاب میں دیکھا -

غضب یہ ہے کہ اُس نے مشہور مفسّر، محدث، فقیہہ اور مؤرخ امام محمد بن جریر الطبریؒ کو بار بار شیعہ لکھا ہے - قیامت کے روز ان متقی اور صالح عالم بے مثال کا ہاتھ ہوگا اور

اس کا دامن۔ آج کل میں سب سے پہلے اسی پر ایک مضمون لکھ رہا ہوں ۔ ۱۳ صفحات ہو چکے ہیں۔ خیال کیجیے کہ جو عالم حدیث کی کتاب " مسند ابی بکرؓ " اور " مسندِ عمرؓ " لکھے وہ شیعہ ہو سکتا ہے؟ ان کی حدیث میں بے نظیر کتاب " تہذیب الآثار " کے چار اجزا مسند عمرؓ، مسند علیؓ مسند ابن عباسؓ امام محمد یونیورسٹی، ریاض کی طرف سے چھپ چکے ہیں اور میری لائبریری میں ہیں۔ قدیم مصنفوں اور محدثین جیسے امام برزانی اور امام ابن کثیر وغیرہ نے ان کی اس کتاب کی بہت تعریف کی ہے۔ اور پھر مشہور مفسر اور حافظِ حدیث اپنی تفسیر ابن کثیر میں برابر طبری کی تفسیر سے اقوال نقل کرتے ہیں، اور پھر جس مورخ نے اپنے قدیم وطن طبرستان میں شیعوں کی ریشہ دوانیاں اور سب صحابہ کو دیکھا تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فضائل میں کتابیں لکھیں اور وہ مار کھاتے کھاتے بچے، اُن ہی کو یہ بدبخت عباسی شیعہ کہے اور بے لگان، جناب نور احمد صاحب! امام طبریؒ کی تفسیر کو امام ابن تیمیہؒ نے سب سے صحیح اور بہتر تفسیر قرار دیا ہے۔ کیا امام ابن تیمیہؒ بھی شیعہ تھے اور اس تفسیر کو مصر کے ایک سلفی عالم نے ایڈٹ کر کے حال میں بیس جلدوں میں چھاپا ہے۔ یہ ہے آپ کے عباسی صاحب کا مبلغ علم۔

کیا آپ امام بخاریؒ کے استاد محدث و مورخ خلیفہ بن خیاط کو جانتے ہیں۔ ان کا انتقال ۲۴۰ھ میں ہوا۔ اور صحیح البخاری میں ان سے احادیث مروی ہیں۔ اسلام آباد کی اسلامک یونیورسٹی میں شاید یہ کتاب موجود ہو۔ وہاں جا کر اس میں " بیعتِ یزید " کا قصہ انتہائی موثوق سند کے ساتھ پڑھیے (ص ۲۱۳ — ۲۱۷) یا کسی سے ترجمہ کرا کر سنیے، آپ حیران ہو جائیں گے کہ امیر معاویہؓ نے کس طرح تلواروں کے سایہ میں عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا حسینؓ اور عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن ابی بکرؓ کی مرضی کے خلاف ان کی بیعت کا اعلان کر دیا تھا۔ اور انہوں نے اس طرح ملوکیت کی بنیاد رکھ دی تھی — بیچارہ طبری نے تو اس روایت کو اس تفصیل سے ذکر بھی نہیں کیا ہے۔

اور پھر آپ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان پڑھیے کہ ان کو امیر معاویہؓ نے رشوت میں ایک لاکھ درہم بھیجے کہ وہ یزید کی بیعت ان کی زندگی میں کر لیں مگر وہ تیار نہ ہوئے کہ یہ صحیح نہیں ہے یا تو تم خلافت چھوڑ دو یا تمہاری خلافت کے بعد یہ بات ہو گی۔ انہیں

بخاری کے شیخ محدث نے اپنی اسی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے امیر معاویہ سے کہا کہ تم سے پہلے بھی خلفاء تھے، اُن کے بیٹے بھی تھے اور تمہارا بیٹا ان کے بیٹوں سے بہتر نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کو ولی عہد نہیں بنایا، تم کیسے بناتے ہو؟ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے بھی یہی کہا تھا کہ خلافت کا مسئلہ تم کو مسلمانوں کے مشورہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ بلکہ معاویہؓ کو دھمکی بھی دی تھی ---- کہ اگر تم نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت لی تو ہم تمہارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔ یہ ۵۱ھ کی بات ہے، لیکن ان کا ۵۳ھ میں انتقال ہو گیا تھا۔ طبری میں امیر معاویہ کی بیعتِ یزید کا واقعہ غلطی سے ۵۶ھ میں درج ہو گیا ہے۔ اسی کو عباسی لے اُڑا ہے۔ اس نے تاریخ میں خلیفہ بن خیاط کا نام بھی نہیں سُنا تھا۔ اگرچہ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۷ء میں عراق سے چھپ گیا تھا۔ اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۷ء میں بیروت سے چھپا تھا۔

اور جناب نور احمد صاحب! آپ کتبِ حدیث میں بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ میں اہلِ بیت حضرت علیؓ، سیدنا حسنؓ و حسینؓ کی منقبت میں صحیح احادیث دیکھیں، کہیں ایک حدیث بھی آپ کو یزید تو کیا حضرت معاویہ کی منقبت میں نظر نہیں آئے گی۔ جو احادیث بیان بھی کی جاتی ہیں، اُن کی تنقید مشہور محدث امام ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب "العلل المتناھیة فی الاحادیث الواھیة" کی جلد دوم میں کی ہے، یہ سب ضعیف احادیث ہیں۔ یہ کتاب فیصل آباد سے چھپی ہے۔

اور پھر آپ قرآن کریم پر تو ایمان رکھتے ہیں، اس میں صحابہ میں سے "السابقون الاولون من المھاجرین والانصار" کی تعریف اور بیعتِ رضوان والے صحابہ کی تعریف آئی ہے۔ کیا امیر معاویہ اس میں شامل ہیں؟ وہ تو فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو سال قبل ایمان لائے تھے، وہ کہاں حضرت علیؓ کے برابر ہو سکتے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ علیؓ کے مقابلہ میں معاویہ غلطی پر تھے۔

اور کیا آپ جانتے ہیں کہ شیعوں کے سب سے بڑے مخالف شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

ہیں - آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے معاویہ و یزید کے بارے میں اپنے فتاویٰ (جلد ۴ طبقہ ریاض ۲) میں کیا لکھا ہے ؟ انہوں نے لکھا ہے کہ معاویہ اسلام سے پہلے بادشاہ تھے ، یزید کے بارہ میں تو انہوں نے صفائی سے لکھا ہے کہ جیسے بہت سے شہزادے گذرے ہیں وہ بھی ایک شہزادہ تھا - اس میں بہت سی برائیاں بھی تھیں اور اچھائیاں بھی - اور پھر انہوں نے اپنے فتاویٰ کی اسی جلد میں ص ۴۸۱ سے ۴۸۸ تک بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " یزید صالحین میں سے نہ تھا اور اکراد (؟) کا ایک فرقہ جو ایسا سمجھتا ہے وہ گمراہ ہے " - اور پھر انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول اپنے بیٹے صالح کے جواب میں نقل کیا ہے کہ ، " کوئی آدمی بھی جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے کیا وہ یزید سے محبت رکھ سکتا ہے ؟ " اس پر ان کے بیٹے نے کہا کہ " بابا پھر آپ اُس پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے " ؟ تو امام احمد بن حنبلؒ نے جواب دیا " کب تم نے اپنے باپ کو دیکھا ہے کہ وہ کسی پر لعنت بھیجتا ہے " - عباسی نے غلط لکھا ہے ، یزید سے کوئی حدیث مروی نہیں - امام احمد بن حنبل نے اس کی نفی کی ہے -

پھر انہوں نے (ابن تیمیہ نے) لکھا ہے کہ " اس سے محبت کرنا جائز نہیں - اس کے ظلم اور فسق کی وجہ سے ، اس نے سید نا حسینؓ کے ساتھ اور جو واقعہ حرۃ میں کیا اس کی وجہ سے " - اور پھر مزید کہتے ہیں کہ نہ تو ہم اس کو گالی دیتے ہیں اور نہ اس سے محبت کرتے ہیں - محبت اس لیے نہیں کرتے کہ وہ صالح آدمی نہیں تھا کہ اس سے محبت کریں - اور گالی ہم کسی بھی مسلمان کو نام لے کر نہیں دیتے ہیں - اور ہم سب ظالمین کا جیسے حجاج وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں تو جو قرآن کریم نے بتایا ہے وہ کہتے ہیں - الا لعنۃ اللہ علی الظلمین - ہم اس پر لعنت نہیں بھیجتے لیکن بعض علماء نے لعنت کی ہے - اور یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے - بہر حال جس نے سید نا حسینؓ کو قتل کیا ، یا ان کے قتل میں مدد کی یا اس پر راضی ہوا تو اس پر اللہ کی ، فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہو " اور پھر انہوں نے اہل بیت کی محبت کو فرض بتایا ہے -

یہ ہیں آپ کے عباسی کے ممدوح معاویہ و یزید کے بارے " منہاج السنۃ " کے

مصنف امام ابن تیمیہ کے خیالات جو شیعوں کے سخت مخالف تھے۔ اور عباسی نے تو اپنی کتاب میں بہت سے جھوٹے حوالے دیئے ہیں۔ البدایۃ والنہایۃ کے مصنف مفسر و محدث و مؤرخ یزید کو صراحتہً فاسق لکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف اُس نے کسی ایک مصنف کی رائے نقل کر دی ہے۔ جس کا ذکر ابن کثیر نے کیا ہے لیکن اس سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ غلط لکھ دیا ہے کہ مزید تین سال متواتر حج کیے۔ ۵۱ھ اور ۵۲ھ اور ۵۳ھ ابن کثیر میں یہ ایک روایت ہے، بس، لیکن خود انہوں نے اور دوسرے ثقہ مؤرخین نے یزید کے خلافت سے پہلے صرف ایک حج کا ذکر کیا ہے۔ جس کے سنین میں اختلاف ہے۔ لیکن اغلب رائے یہ ہے کہ یہ ۵۰ھ میں تھا، کیونکہ امیر معاویہ چاہتے تھے کہ یزید کو اُمتِ اسلامیہ کے سامنے اس طرح پروجیکٹ کریں، تاکہ بیعت کی جا سکے۔ اسی طرح بزور اس کو جہاد قسطنطنیہ پر روانہ کیا۔ ورنہ وہ نہیں چاہتا تھا، جیسا کہ بلاذری کی انساب الاشراف ہی میں تفصیل سے ذکر ہے جو بیت المقدس میں چھپی تھی۔ ۱۹۳۴ء۔ اور میری لائبریری میں ہے۔

آپ نے یہ غلط لکھا، غالباً عباسی کی رائے سے متاثر ہو کر کہ سیدنا حسینؓ کو اُن کے سوتیلے بھائی محمد بن الحنفیہ نے اس اقدام سے منع کیا تھا۔ انہوں نے صرف یہ کہا کہ آپ یزید سے مقابلہ کی تیاری کے لیے کسی اور جگہ یمن وغیرہ جائیں۔ پھر محمد بن حنفیہ اس عزیمت و مقام کے آدمی نہ تھے جس مرتبہ کے سیدنا حسینؓ تھے۔ جن کے بارہ کے صحیح حدیث ہے:
"الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ" (ترمذی وغیرہ) اور صحیح حدیث ہے:۔
"الحسین منی وانا من الحسین"۔ آپ نے یہ بھی غلط لکھا ہے کہ سیدنا حسینؓ کے ساتھ کوئی صحابی نہ تھا، وہ خود صحابی تھے۔ اور اُن کے ساتھ صحابہ میں سے سلیمان بن صرد وغیرہ تھے۔

ذوالفقار علی بھٹو اور شہید ضیاء الحق کے حوالہ سے اسلامی تاریخ میں ابہام کی مثال بھی آپ نے غلط دی ہے۔ تاریخ کی اصلیت کبھی گم نہیں ہوتی ہے سقوط ڈھاکہ کے بارے میں بھٹو کا کردار "اِدھر ہم اُدھر تم" اور ڈھاکہ اسمبلی میں جو جائے گا اس

کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ اس کے اقوال روزِ روشن کی طرح ہیں۔ پیپلز پارٹی کے لوگ اُس کے الفاظ کو تاریخ سے مٹا نہیں سکتے۔ جس انسان کو کسی ملک کی سول اعلیٰ عدالت بلکہ دو عدالتیں قتل کے الزام میں پھانسی کا حکم دیں، اسلام کی رُو سے وہ شہید نہیں ہو سکتا۔ ہاں کسی ناگہانی حادثہ میں جو مر جائے اور وہ پابندِ اسلام ہو تو اُس کو حدیث نبوی کے مطابق شہید کہنا درست ہے۔ پھر یہ کہ تاریخ نے، موافقانہ یا معاندانہ، یہ کبھی نہ کہا کہ ضیاء الحق مرحوم شراب و زنا کے رسیا تھے، یہی کہا کہ وہ پابندِ صوم و صلوٰۃ اور پرہیزگار آدمی تھے۔ جب کہ دوسرے انسان کی شراب خواری کو سب جانتے ہیں، کسی نے نہیں کہا کہ وہ صالح آدمی تھا۔

جہاں تک کہ "آمر" کہنے کی بات ہے تو یہ اسلام کی بات کرنے والوں کو زیب نہیں دیتا، افلاطونی جمہوریت کی دعوت اسلام نے کبھی نہیں دی ہے، لادینی مغربی جمہوریت والے تو خلفائے راشدین کو بھی آمر کہہ سکتے ہیں۔ آمریت کے ساتھ وراثتی ملوکیت کا رواج امیر معاویہؓ نے دیا جس کے بارے میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں اور یہی بات ابن خلدون نے بھی لکھی ہے۔ اسلام مشاورت کا قائل ہے جو خلفائے راشدین کرتے تھے۔

کہاں تک آپ کو لکھوں، خیالات کا ایک طوفان ہے۔ ایک صحیح حدیث آپ کو لکھ دوں جو ترمذی، ابوداؤد، مسندِ امام احمد بن حنبل وغیرہ میں ہے۔ " الخلافۃ ثلاثون سنۃ وبعدہ یکون ملکاً " یہ تیس سال سیدنا حسنؓ کی چھ ماہ کی خلافت پر پورے ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد ملوکیت شروع ہو جاتی ہے۔ صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر آپ یہ بھی تو غور کیجیے کہ واقعہ حرہ میں یزید کے حکم سے کس طرح تین دن تک بے دردی سے قتلِ عام کیا گیا ———— انصار و مہاجرین اور اُن کی اولاد کو یزید کے غلاموں کی حیثیت سے بیعت پر مجبور کیا گیا۔ متعدد صحابہ کو شہید کیا گیا۔ یہ واقعہ شیعوں نے نہیں، امام بخاری کے استاذ اور ثقہ محدث و مورخ نے صحیح اسناد کے ساتھ اپنی تاریخ خلیفہ بن خیاط میں لکھا ہے۔ اس میں ساڑھے تین ہزار

اہلِ مدینہ قتل کئے گئے۔ شیخ خلیفہ بن خیاط نے ۳۰۶ انصار و مہاجرین اور ان کے خلفاء کے نام گنوائے ہیں۔ آپ کے محقق عباسی صاحب اسی واقعہ کی تفصیلات صرف دو صفحوں میں لکھ کر گول کر گئے ہیں۔ اور صحیح حدیث کی پیش گوئی فوراً پوری ہوگئی کہ "جو اہلِ مدینہ کو ڈرائے گا، اُن کو تنگ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو رصاص کی طرح پگھلا دے گا" وہ بڈھا جس کو تاریخ نے مسلم کے بجائے مُسرف بن عقبہ کا نام دیا فوراً اس کے بعد مرگیا، اور یزید بھی تین ماہ بعد چل بسا۔ اور اس کے صالح بیٹے معاویہ بن یزید نے اپنے باپ کے ظلموں کے پیش نظر خلافت قبول نہیں کی۔ اور پھر نور احمد صاحب یہ بھی غور کیجیے کہ تاریخ نے عبد الملک بن مروان، عمر بن عبد العزیز، سلیمان بن عبد الملک وغیرہ اموی خلفاء کو فاسق کیوں نہ کہا۔ بلکہ دوست و دشمن سب ہی نے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ کی تعریف کی جن کو ایک دوسرے فاسق یزید بن عبد الملک نے زہر دلوا کر مروا دیا۔ کیونکہ وہ اپنے نانا عمرؓ کے راستہ پر تھے اور احیائے سنّت کرنا چاہتے تھے۔

میرے بزرگ یہ ایک المیہ ہے کہ جو لوگ جماعت اسلامی کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہو گئے۔ اور اُن کو قرآن و حدیث و تاریخ کا کتب عربی کے ذریعے براہ راست علم نہ تھا۔ وہ گمراہی کے راستہ پر پڑ گئے ہیں"------" اور "------" کی مثالیں سامنے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے ساتھ ہو لئے اور کن رسوائیوں میں مبتلا ہوئے۔

یوں تو موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں، لیکن آپ عمر کے ایسے حصہ میں ہیں جب آدمی عام طور پر عمر طبعی کے بعد موت سے قریب ہوتا ہے۔ اہلِ بیت سے محبت کیجیے کہ یہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، صحیح کتابیں پڑھیے، جھوٹ لکھنے والے نام نہاد محققین سے متاثر نہ ہوئیے، جو ظالم کی تعریف کرتے ہیں۔

آپ چاہیں تو عربی میں اچھی کتابوں کے نام آپ کو بتاؤں، بہر حال شاہ ولی اللہ صاحب، شیخ مجدد الف ثانی، مولانا تھانوی (اشرف علی)، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، سید سلیمان ندوی اور ایسے ہی محققین کی کتابیں پڑھیے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

(باقی بر صفحہ ۱۴۱)

مختصر احوال محمد یحییٰ مرحوم

جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب - بھائی پھیرو

زائرِ حرمین محمد یحییٰ ولد محمد عبدالوحید جو دورانِ حج ہی میں رحلت فرما گئے، اُن کی عمر تقریباً ۷۱ سال تھی (تاریخ پیدائش ۱۹۱۸ء) - وہ سکندر پور، ضلع مین پوری (یو پی) بھارت میں پیدا ہوئے اور ۷ جولائی ۱۹۸۹ء کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی ـــــ

محمد یحییٰ صاحب نے ۱۹۴۱ء میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ترجمان القرآن پڑھا - پھر خطبات پڑھ کر جماعت اسلامی کے رکن بن گئے - مولانا سے خط و کتابت کے بعد زمینداری، نمبرداری اور تمام مصروفیات چھوڑ کر اللہ کی طرف ہجرت کر کے اور اقامتِ دین کا جذبہ لے کر دارالاسلام (متصل پٹھانکوٹ) چلے آئے -

محمد یحییٰ صاحب مرحوم کی ترجمان القرآن سے وابستگی شروع ہی سے رہی - بطور ایک کلرک ادارے میں شامل ہوئے - اور ہر قسم کی ڈیوٹی سرانجام دی -

۱۹۴۲ء سے ۱۹۵۰ء تک (اس دوران میں تشکیلِ پاکستان ہوئی) ادارے میں کام کرتے رہے - پھر ذیلی مرکز راولپنڈی میں چلے گئے - اس ذیلی مرکز کو مولانا اصلاحی صاحب، مولانا مسعود عالم ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور محمد عبدالجبار غازی صاحب مرحوم چلا رہے تھے، تھوڑے عرصہ بعد واپس اچھرہ مرکز جماعت میں چلے آئے - اور ۱۹۵۸ء تک مرکزی دفتر میں ایک کارکن کی حیثیت سے کام کرتے رہے - جب مارشل لگا تو دفتر بند ہو گیا - اور یحییٰ صاحب فارغ ہو گئے -

مرکز سے فارغ ہوکر دو سال لاہور میں رہے۔ تسنیم میں کام کیا ـــــ پھر تجارت کرتے رہے۔ مولانا کو محمد یحییٰ صاحب پہ پورا بھروسہ تھا اور ہر راز کی بات میں اور ذمہ داری کے کام میں یحییٰ صاحب کو شریک رکھتے۔ تسنیم اور بتول کے پرنٹر پبلشر کی حیثیت سے محمد یحییٰ صاحب مولانا کے اعتماد پہ پورے اترے۔

موضع سندھو میں زمین الاٹ ہونے کے بعد مستقل طور پر سندھو میں آباد ہوگئے۔ شروع میں چند سال الاٹ منٹ اور زمین کی آباد کاری میں لگ گئے۔ جب ۱۹۷۰ء کا الیکشن آیا تو پھر ایک فیلڈ ورکر کی حیثیت سے جماعت کے لیے دیہات میں کام شروع کر دیا۔ دیہات میں جماعت کی دعوت پھیلائی۔ سیاسی اور خدمتِ خلق کا بھرپور کام کیا۔ علاقے کے وڈیروں کے ظلم و ستم کے مقابلے میں غریب اور پریشان حال لوگوں کی تھانے، تحصیل، ضلع اور سکریٹریٹ تک میں مدد کی۔ دیہات میں تھانہ ہی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز ہوتا ہے۔ یحییٰ صاحب نے بڑی محنت، جانفشانی اور قربانیاں دے کر ضلع بھر کے تھانوں میں ایک مقام بنایا۔ ان کی اس پہلو میں نمایاں خدمات ہیں۔ مگر کمال یہ ہے کہ:

۱۔ کبھی کسی افسر کو رشوت نہیں دی۔

۲۔ تھانوں پر سیاسی دباؤ، جلوسوں، جلسوں، اخباری بیانوں اور بالائی نظم کے ذریعے ڈال کرتے تھے۔ افسران بالا تک بھی رسائی تھی۔

۳۔ ہر مظلوم کی بلا امتیاز ذات، برادری مدد کیا کرتے تھے۔

۴۔ ہر ظالم کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے۔ جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق سنانے کے ارشاد پر پورا پورا عمل کیا کرتے تھے۔ خواہ کتنا ہی بڑا افسر ہو، بلا دھڑک حق بات کہہ دیتے تھے۔ جاگیردار، چودھری اور سیاسی وڈیرے یحییٰ صاحب کی حق گوئی سے ہمیشہ مرعوب ہی رہے۔ اس سلسلہ میں ان کی جرأت رندانہ بے مثال تھی۔ کھلی کچہری میں، مجلس میں، پنچایت میں، حق کی حمایت میں اور ظلم کے خلاف ایک شمشیر برہنہ بن جایا کرتے تھے۔ ان کو دیکھ کر بہت سے مظلوموں میں جذبہ پیدا ہوا اور "ماجھے" اب اللہ کے

کرم سے حق کی بات کرنے والوں سے بھرا پڑا ہے۔ جب کہ اس علاقے میں کسی کے حق کی بات تو الگ ہے اپنا حق مانگنا بھی ایک مشکل امر تھا۔

۱۹۷۷ء کے انتخابات میں انہیں خدشہ تھا کہ کہیں قومی اتحاد کے امیدواروں کو پیپلز پارٹی والے اغوا نہ کر لیں۔ چنانچہ انھوں نے بڑی منصوبہ بندی سے کاغذاتِ نامزدگی داخل کروانے کا طریقہ وضع کیا۔ ذمہ دارانِ جماعت بشمول یحییٰ صاحب اغوا ہونے کے باوجود کاغذاتِ نامزدگی داخل ہو گئے۔ اور بڑے تاریخی انداز میں داخل ہوئے۔ اس طرح یحییٰ صاحب کے دانشمندانہ منصوبے سے قومی اتحاد اور جماعتِ اسلامی کو فائدہ پہنچا۔ اور پیپلز پارٹی والے بہت خوار ہوئے۔ اس اغوا کی نازک گھڑی میں یحییٰ صاحب نہ تو گھبرائے، نہ کسی نرمی کا مظاہرہ کیا، بلکہ بڑی بہادری اور صبر و سکون سے مخالفین کا وار سہہ گئے۔ اس وقت یحییٰ صاحب کی سیاسی پختگی نے جماعت کو بہت فائدہ پہنچایا۔ اور چند ماہ ہی میں جماعتِ اسلامی دیہات میں ایک قوت بن کر ابھر آئی۔

بعد ازاں تحریکِ مصطفیٰ کو بھی یحییٰ صاحب نے ایک مرکزی کارکن کی حیثیت سے چلایا۔ اور بھرپور انداز میں چلایا۔

ذاتی طور پر وہ کفایت شعار تھے۔ وہ نظریۂ کفالت کے قائل تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کارکن کو اس کی ضرورت کے مطابق معاوضہ ملنا چاہیے، نہ کہ اس کے عہدہ کے مطابق۔ وہ اپنے آپ کو بھی ایک کارکن ہی سمجھتے تھے۔ شروع میں غربت اور مہاجرت کی وجہ سے تنگی تھی۔ بعد میں جب زمین صحیح انداز میں کاشت ہونے لگی تو خوش حالی آئی۔ لیکن یحییٰ صاحب نے اپنا رہن سہن نہیں بدلا۔ وہی سادہ لباس، سادہ خوراک، سادہ طرزِ بود و باش، فقیرانہ معاشرت اور کچا مکان، یہ تھی یحییٰ صاحب کی دنیا۔ آمدنی کا بیشتر حصہ زراعت کی ترقی اور جماعتی سرگرمیوں کے لیے خرچ کرتے۔

لین دین میں بہت بااصول تھے۔ ان پر بڑی غریبی آئی۔ لیکن وہ موت کے وقت بھی کسی کے مقروض نہ تھے۔ ورثا کے لیے وہ کچھ فائدے ہی چھوڑ کر گئے ہیں۔ کوئی مقدمہ یا لڑائی جھگڑا یا قرضہ چھوڑ کر نہیں گئے۔

ان کی نمایاں خوبی منصوبہ بندی تھی۔ دیہات میں جماعتِ اسلامی کا کام کرنے کا منصوبہ بنایا۔ تبلیغی وفود کے ساتھ بستی بستی گئے۔ کنووں اور ٹیوب ویلوں پر راتیں گذاریں، لوگوں کے ذاتی دکھ درد میں شریک ہوتے، مظلوموں کی دادرسی میں تعاون کیا، چنانچہ یحییٰ صاحب کی منصوبہ بندی کی کامیابی کی دلیل یہ ہے کہ آج علاقے میں کوئی بستی ایسی نہیں جس میں جماعت اسلامی کے ساتھ محمد یحییٰ صاحب کا تعارف نہ ہو۔ اگر اُن کی شکل سے واقف نہیں تو اُس کا نام ضرور شناسا ہے۔ اسی طرح زراعت کا منصوبہ بنایا۔ جماعتِ اسلامی کو ایک سیاسی قوت بنانے کا منصوبہ تیار کیا۔ جماعت اسلامی کی مالیات کی منصوبہ بندی کی۔ الیکشن کے لیے بھی منصوبہ تیار کیا۔ غرض انہوں نے گذشتہ ۲۰ سال میں علاقہ بھائی پھیرو میں ایک خاص منصوبہ بندی سے جو کام شروع کیا۔ آج وہ برگ و بار لا چکا ہے۔ اور الحمدللہ علاقے میں جماعتِ اسلامی ایک سیاسی قوت ہے۔

ان کی سب سے بڑی خوبی وہ استقامت ہے جس کی گواہ ان کی زندگی تھی۔ ۱۹۴۲ء میں آدھے گاؤں کی زمینداری چھوڑ کر اللہ کے لیے گھر سے نکلے مشکل امتحانات سے گذرے۔ جیل اور فاقے تک نوبت پہنچی۔ لیکن پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ مرتے دم تک اپنے نصب العین (فریضۂ اقامتِ دین) چمٹے رہے۔ یہ ان کے خلوص کی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کا ثبوت ہے کہ ان کی موت بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں آئی۔ اور مکہ مکرمہ میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

بعض اوقات تنقید کرتے ہوئے یحییٰ صاحب سخت زبان استعمال کر جاتے تھے۔ اور رفقاء کو یہ تنقید بُری لگتی تھی۔ اصل میں سخت زبان نہیں، بلکہ سخت لہجہ تھا جو اوّل روز سے ان کی ادائے خاص تھا۔ البتہ یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے ہمیشہ جماعتِ اسلامی کے مفاد میں ہی سختی کی۔ اور اُن کی محبت اور غصہ دونوں اللہ ہی کے لیے ہوا کرتے تھے۔ ان کی تنقیدیں ذاتی تسکینِ نفس کے لیے نہ ہوتی تھیں۔ وہ کردار میں بھی بے لوث تھے اور گفتار میں بھی بے باک!

ان کی وفات سے جماعتِ اسلامی ایک مدبر، ایک مخلص اور تجربہ کار کارکن سے محروم ہوگئی ہے۔ بھائی پھیرو کے کارکن تو محسوس کرتے ہیں کہ شجرِ رحمت کا سایہ ان کے سروں سے اُٹھ گیا ہے۔ یحییٰ صاحب کی موت علاقہ بھائی پھیرو کی جماعتِ اسلامی کا ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی نیکیاں قبول فرما دے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چل کر دین کی خدمت کی توفیق دے۔

(بقیہ جوابِ آں غزل)

روحی فداہ کی حدیث "لا تجتمع اُمتی علی الضلالۃ" (میری اُمت ضلالت پر متفق نہ ہوگی) یاد رکھیے۔

آپ نے بعض اُردو کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ وہ سب تیسرے درجہ کی کتابیں ہیں، ایک محقق و محدث کی کتاب کا نام آپ کو دیتا ہوں، وہ پڑھیے: یعنی "یزید اہلِ بیت کی نظر میں" تصنیف مولانا عبدالرشید نعمانی جو لغات القرآن کے مصنف ہیں، ایک دوسری تازہ کتاب بھی: "المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ تصنیف مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی" شائع کردہ مجلسِ نشریاتِ اسلام، کراچی۔ یہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ذریت میں سے ہیں اور عالمِ اسلام کے مانے ہوئے عالم ہیں۔

آخر میں عرض ہے کہ مولانا مودودیؒ کی کتاب "خلافت و ملوکیت" بہت اچھی اور صحیح کتاب ہے، اُن کی کتابوں سے ہزاروں نہیں لاکھوں انسان اسلام کے راستے پر آئے عباسی کی کتاب سے ایسا نہیں ہوا۔

رسائل و مسائل

سیور ریفل کی ٹکٹیں اور انعامات

سوال: - مسئلہ کچھ یوں ہے کہ میں نے پہلے لاٹری اور بانڈ وغیرہ کبھی بھی نہیں خریدے اور ساری زندگی والد نے حلال کی کمائی، حلال کا کھلایا، پلایا، آخری نصیحت اور وصیت بھی یہی تھی کہ حلال کھانا۔

لیکن یہ جو سیور ریفل سکیم ٹکٹ چلی ہے یہ تو گورنمنٹ کی اسکیم ہے اور ظاہر ہے کہ اب ہم گورنمنٹ کو غیر اسلامی تو نہیں کہہ سکتے، لیکن فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہ جس چیز تم محنت نہ کرو، وہ تمہارے لیے حلال نہیں۔

براہ کرم مختصراً جواب سے آگاہ فرمائیں۔ ویسے مجھے اپنے رب پر اتنا بھروسہ ہے کہ اگر میں ٹکٹ لے بھی لوں تو وہ نکالے گا نہیں۔ کیونکہ ایمان کے ساتھ ساتھ جو چیز میں نے اُس سے طلب کی ہے۔ وہ ہے رزقِ حلال۔ تو پھر وہ کاہے کو مجھے غلط چیز دے گا۔ ناممکن سی بات ہے لیکن پھر بھی میں جواب کی منتظر رہونگی۔

جواب: - سیور ریفل سکیم جوئے میں شامل ہے۔ جوئے کی بندش کے بارے میں قوانین موجود ہیں، لیکن تعجب ہے کہ اس سکیم کے بارے میں روزانہ اشتہارات آتے رہتے ہیں۔ اس کے انعامات کے اعلانات بھی ہوتے رہتے ہیں جو لوگ خود اس کا ارتکاب کرتے ہیں نہ ان کو اس کا احساس ہے اور نہ حکومت اس پر گرفت کرتی ہے۔

(ملک غلام علی — شعبۂ استفسارات - ادارہ معارفِ اسلامی، منصورہ، لاہور)

تائیدی نوٹ — از نعیم صدیقی

مسئلہ تو جو ملک غلام علی صاحب نے لکھ دیا ہے۔ ان کے علم و اخلاص کے پیش نظر

اس سے تعرض کرنے کی جرأت مجھے تو نہیں، میں ان کے جواب کو پڑھ کر پوری طرح مطمئن ہوں۔
مگر میں یہاں بعض معاشرتی اور معاشی پہلوؤں سے آپ پر "سیور ایفل" سسٹم کے انعامات کی خرابی واضح کرنا چاہتا ہوں۔

ا۔ اس وقت حصولِ دولت اور دولت افزائی اور نمائشِ دولت کی جو مجنونانہ دوڑ لگی ہوئی ہے اس میں افراد اور خاندان اور طبقے سب شریک ہیں اور ہر کوئی دوسروں کو دھکیل کر بلکہ کچل کر بڑھ جانا چاہتا تھا۔ اب نئے دور میں عورتیں بھی گھروں کو چھوڑ کر، بچوں کو نوکروں یا کسی دارالاطفال کے سپرد کر کے اور نقاب، دوپٹے اُتار کر، پائنچے، آستینیں چڑھا کر میدان میں کود گئی ہیں۔ بے شمار لوگ ہیں جنہوں نے خدا اور مذہب اور اخلاق کے بوجھ اُتار کے پھینک دیئے ہیں۔ اور لبرلزم کی فضا میں جھوٹ، چوری، ڈاکے، خیانت، رشوت، ظلم و تشدد، قتل مقاتلے، اہم لوگوں یا اُن کے بچوں کے اغوا کے ذریعے حصولِ تاوان، عورتوں اور بچوں کی اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک بردہ فروشی وغیرہ، سدلا راستے رزقِ حرام کے کھل گئے ہیں۔ تھوڑی سی تعداد جو فی الواقع حرام سے بچنا چاہتی ہے اُسے بڑے بڑے دانشور، عظیم الشان اداروں کے اشتہارات، مختلف مفادات اور انعامات کی کشش سے اس طرح شکار کیا جاتا ہے جیسے پانی میں کنڈیاں ڈال کر مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔

بنک والے کہیں گے کہ ایک لاکھ جمع کرایئے اور تاعمر، بلکہ آپ کی اولاد در اولاد بھی اس کے عوض میں ایک ہزار روپے منافع لیتی رہے۔

انعامی ٹکٹوں والے آپ کے سامنے خوب صورت کاروں، ریفریجریٹروں، اے سیز، ٹیلی وژنوں، قالینوں، سلائی مشینوں، سکوٹروں اور کیمروں کی رنگین تصویریں اخبارات میں مسلسل لا لا کر گویا آپ کی خواہشاتِ پنہاں کو بھڑکاتے بھی ہیں اور اُن کو مجسم کر کے آپ کے سامنے اس طرح رکھتے ہیں کہ گویا برسوں کے خواب پورے ہونے والے ہیں اور پھر دس دس لاکھ اور پچاس لاکھ روپے کے انعامات کا لالچ، منہ میں پانی آجاتا ہے۔ جب محنت و قابلیت سے آدمی زیادہ تیزی سے معرکۂ معیارِ حیات سر نہ کر سکے تو وہ چاہتا ہے کہ کوئی جن قابو میں ہو اور وہ دولت کے خزانے لا دے، کسی بنک کو لوٹا جائے، ہیروئن

کا کاروبار کر لیا جائے، وزارت کے ذریعے "موجبیں" کی جائیں، کوئی نادیدہ قوت چھت پھاڑ کر سونے کے ٹکڑے اندر پھینک دے، کوئی وظیفہ پڑھنے سے ہر روز پانچ سو روپیہ مل جایا کرے۔ یا اچانک کوئی انعام کہیں سے نکل آئے اور اخبار سے اطلاع ملے کہ دس لاکھ روپے مسمیٰ فتو ولد نادر کے نام نکلا ہے۔ سرے سے یہی ہماری غلط بلا ہے کہ کہیں سے اچانک کوئی رقم بلا کسی خاص محنت کے نمودار ہو جائے اور نہ ہی سفر نہ کرنا پڑے۔ اسی سے ہزار خرخشے شروع ہوتے ہیں۔

۲۔ نفسیاتِ انسانی کی ساخت ایسی ہے کہ اس کا تجربہ کر کے مالی اسکیمیں بنانے والے اپنا نقشہ ایسا بناتے ہیں اور اشتہارات میں اس طرح لاتے ہیں کہ ہر آدمی یوں سمجھتا ہے کہ ایک نہ ایک تو بڑا انعام تو ضرور اسی کو ملے گا۔ یہ رومانٹک سوچ بچار جو آدمی عام حالات میں ناقابلِ حصول تمناؤں کے لیے رکھتا ہے، ایسی ہے جیسے وہ خواب دیکھنے لگے یا اُس پر مسمریزم کا اثر ہو جائے۔ اس اثر میں آنے والوں پر جو تباہیاں آتی ہیں وہ تو انعامات کے اشتہارات کے پیچھے مخفی رہ جاتی ہیں۔ مثلاً ہماری شنید میں ایسے ایسے واقعات ہیں کہ کسی غریب آدمی نے قرض لے کر دسیوں ٹکٹ لیے، کچھ نہیں ملا تو قرض خواہ نے اس کا جینا اجیرن کر دیا۔ کسی غریب شخص نے کنال دو کنال زمین بیچ دی اور بیوی بچوں سب کے نام کے بہت سے ٹکٹ تو لے لیے مگر ہزاروں روپے کے ٹکٹوں کے عوض اس کے بچے کو کسی انعام کا ۵۰ واں حصہ ملا، یعنی فرض کیجیے ۵۰ ہی روپے۔ کہیں لوگ زیور بیچتے ہیں، جو انھوں نے اپنی بچی کے نکاح کے لیے تیار کر رکھے ہوتے ہیں۔ ان کو امید ہوتی ہے کہ یہ زیور اتنا روپیہ ساتھ لے آئے گا کہ شادی بیاہ اور جہیز کے دوسرے لوازم بھی پورے ہو جائیں گے۔ مگر نتیجہ نکلتا ہے تو ایک ریڈیو یا ٹیلی وژن یا پریشر ککر مل جاتا ہے۔

انعاموں کا اشتہار دینے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تصویر کا دوسرا رُخ بھی لوگوں کو دکھائیں۔

۳۔ اس طرح کی کروڑوں کی اسکیمیں کا جب آپ حساب لگائیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ غریب اور متوسط طبقوں کی خوابناک تمناؤں سے فائدہ اٹھا کر ان کی جیبوں سے

۵، ۵ — ۱۰، ۱۰ — ۱۰۰، ۱۰۰ روپے نکلوا لیے جاتے ہیں۔ ملک بھر سے غریبوں کا روپیہ (بلحاظ اکثریت) نچوڑا جاتا ہے۔ اور حاصل شدہ دولت کے بل پر کسی کو ۵ لاکھ، کسی ۱۰ لاکھ اور کسی کو ۵۰ لاکھ دے کر نئے سرمایہ دار پیدا کیے جاتے ہیں۔ یعنی بجائے اس کے کہ سرمایہ داروں کا روپیہ غریبوں میں پھیلے، اُلٹا غریبوں کے روپے سے اُن ہی کے گلے دبانے والی سرمایہ داری کی قوت بڑھائی جاتی ہے۔

کثیرالتعداد غریب آبادی کی قوتِ خرید کو کم کر کے مزید کم تر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہاں جرائم کی رَو اور بھی تیز ہو جائے اور بدحال عوام کے لشکر کے لشکر تمدن پر ٹوٹ پڑیں۔ کیا ہم میں کچھ لوگ بھی سوچنے والے نہیں رہے۔

۴ — یہ کہنا کہ چونکہ حکومت اسلامی ہے، لہٰذا وہ جو کچھ کرے ہمیں اس سے اختلاف نہ کرنا چاہیے۔ یہ مقام تو جناب ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی حاصل نہ تھا کہ وہ جو کچھ کریں اُسے اسلام مان لیا جائے۔ اسلامی حکومت کے یہ معنی اوّل روز سے آج تک نہیں تھے۔ اسلامی حکومت وہ ہوتی ہے، جو اسلامی اُصول و مقاصد کے لیے پورا کام کرنے کا پریس، پلیٹ فارم، دستور اور منشور سے اقرار کرے اور پھر جو قدم بھی اُٹھائے وہ کتاب و سنت کے تقاضوں کے مطابق اور حدودِ الٰہی کا پابند ہو۔ کوئی اسلامی حکومت اگر اس کی مجاز نہیں کہ وہ لحم خنزیر کے جواز اور دکانوں، ہوٹلوں پر اس کی فراہمی کا انتظام کر دے، تو بالکل کوئی حکومت شراب، زنا، قمار اور سُود جیسی حرام چیزوں کے متعلق بھی مجاز نہیں ہے کہ ان چیزوں کے جواز کا راستہ کھولے اور ایسا کرے تو اس کے خلاف سخت احتجاج اور نفرت کا مظاہرہ شروع ہونا چاہیے۔

لوگوں نے یہ راہِ جواز اس لیے نکالی ہے کہ خواہش اور ماحول کا پریشر براہ راست بھی اور بیوی بچوں، خاندان کے لوگوں، پڑوسیوں اور دوستوں اور اخباروں اور ٹیلی وژن کے ذریعے بھی آپ پر بہت بڑھ گیا ہے۔ ایسے ناجائز اُمور کے لیے ماحول کے پریشر کا مقابلہ کرنا ہی مَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ کی تعریف میں آتا ہے اور اس روش کو ایمانی و اسلامی روش کہتے ہیں۔

ورنہ یہاں کی اور دُنیائے اسلام کی "اسلامی حکومتوں" کے کرشموں کا آپ جائزہ لیں تو

پھر دنیا میں کوئی بدتر ین چیز ایسی نہیں جسے آپ جائز اسلامی امر نہ کہنے لگیں۔ یاد رکھیے، حکومتوں کی کسوٹی بھی کتاب و سنت ہے۔

۵ — اسلام نے جہاں قمار کی ممانعت کی ہے، وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلیہ ہمارے سامنے رکھ دیا ہے کہ کسی کا کسی سے کچھ لینا یا کسی کا کسی کو کچھ دینا یا کسی کا کسی رقم میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لینا، سب ناجائز ہیں۔ جواز کا راستہ صرف بیع کا، یا مزدوری و اُجرت کا، یا ہدیہ و ہبہ کا رکھا گیا ہے۔ اور اُصول یہ طے پایا ہے کہ " الخراج بالضمان" اس کے اصطلاحی انداز کی پیچیدگی سے بچ کر خلاصتہً مدعا یہ سمجھ لیجیے کہ منافع کا حق دار وہ ہے جو نقصان کی بھی ذمہ داری لے۔

لیکن آپ کے سامنے جو صورت ہے اس میں ٹکٹیں خریدنے والے فریق کو جو نقصان ہوتا ہے اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں، اور جسے انعام ملتے ہیں اس پر نقصان اُٹھانے والوں کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ نقصان ایک طرف والوں کے لیے، نفع دوسری طرف والوں کے لیے (اور اُن کے لیے زیادہ بڑا نفع جو سکیم چلا رہے ہیں)۔ اور بعض حکومتی پروگراموں کو چلانے کے لیے۔

یہ معیار نبوت ہے معاملات کی صحت کا؟ دیکھ لیجیے کہ کوئی صورت اس پہ پوری اُترتی ہے؟ یا نہیں۔

اور یہ کہ پہلے سے اپنے ایمان کو تول کر بتلائیے کہ آپ کے ایک طرف ۵، ۱۰ لاکھ روپے کا انعام (مال حرام) رکھ دیا جائے اور دوسری طرف محبت رسالت تو آپ کس کا ساتھ دیں گے۔

۶ — اگر کوئی تھرڈ کلاس اسلامی حکومت بھی یہاں ہوتی تو وہ اس فتنہ کو سر اُٹھانے ہی نہ دیتی اور نہ اس قسم کے کاروبار کرنے اور اشتہارات دینے کی اجازت نہ دیتی۔ کم از کم سرپرستی تو نہ کرتی۔ علماء بھی اس قدر دم بخود ہیں کہ کبھی کوئی نیک آدمی دو حرفی بات کہہ کر دم سادھ لیتا ہے۔ حالانکہ ہم لوگوں کی طرف سے علمی، ادبی، صحافی ہر قسم کے تردیدی اظہارات کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہونا چاہیے تھا اور ہمارا فرض تھا کہ ہم ملک بھر میں ایک حرکت پیدا کر دیتے، مگر معلوم نہیں، ہم اب ہم بھی رہے ہیں یا نہیں!

۷ — یہ اصولی حقیقت بھی پیش نظر رکھیے کہ بہت کم استثنائی مثالوں کے علاوہ اکثر

ایسا ہوتا ہے کہ کسی گھر میں اگر اچانک بڑی سی ناجائز آمدنی داخل ہو جس کے لیے نہ تدریجاً لمبی محنت کی گئی ہو اور نہ جس کا حصول تدریجاً ہوا ہو تو وہ ہمیشہ فتنے ساتھ لاتی ہے۔ ہر فرد خانہ کی تمام دبی ہوئی تمنائیں اُمڈ پڑتی ہیں جیسے ایک انگریزی کہانی کے دو کردار "سیسل اور ہلڈا" یکایک بڑی جائیداد ملنے کا ایک غلط تار موصول ہونے پر آپس میں لڑنے جھگڑنے لگتے ہیں۔ اور خوشگوار لمبی ازدواجی زندگی گزارنے کے باوجود ایک دوسرے کی محبت و وفا کا رد کر کے باہمی نفرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ دوسرا تار اطلاع دیتا ہے کہ سابق تار غلط تھا۔ وہ جائیداد کسی اور کے نام کی تھی۔ اس پر دونوں خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔

دولت کی بڑی مقدار آنے پر وہی عالم ہوتا ہے جو پندرہ بیس پراٹھے، دس پچاس انڈے اور سو کیلے ایک دم کھا لینے پر ہوتا ہے۔ اسراف اور تبذیر کی نئی نئی شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ قرض خواہ ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ بڑی بڑی دعوتیں اور ہوٹل بازی شروع ہو جاتی ہے۔ شراب اور بازاری گناہ سے تعلق جڑتا ہے۔ ناجائز کاروبار کرنے کی سوجھتی ہے۔ اور پھر نوخیز اور نوجوان اولادیں تو سکوٹر، کاریں اور کلاشنکوف لیے معاشرے میں جرائم کے نئے باب کھولتی ہیں۔

حرام آمدنی پر پلنے اور ترقی کرنے والے لوگ کبھی خیر و فلاح کا راستہ نہیں پا سکتے۔ اِلّا ماشاءاللہ۔ کسی کو توبہ و استغفار کی توفیق بھی مل سکتی ہے۔

۸۔ آپ کا خط پڑھ کر اس بات کی خوشی ہوئی کہ آپ کو حرام و حلال کا شدید احساس ہے، اور آپ کا ایمان ہے کہ خدا آپ کو حرام سے ضرور بچائے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ آپ کو ٹکٹ خریدنے کے گناہ سے بھی بچائے گا۔

مطبوعات

TOWARDS UNDER-STANDING QURAN انگریزی ترجمہ تفہیم القرآن (مع تشریحی نوٹس) از جناب ظفر اسحاق انصاری، جلد ۲ (سورۃ ۴ تا ۶) - ناشر: دی اسلامک فاؤنڈیشن، پبلیکیشن یونٹ - یونٹ نمبر ۹ - دی اولڈ ڈنلپ فیکٹری، ۶۲، ایوِنگٹن ویلی روڈ (EVINGTON VALLEY ROAD) لائسسٹر LES 5LJ - انگلینڈ -

اعلیٰ ٹائپ، خوب صورت متوسط کاغذ، طباعت شاندار، دبیز سرورق آئینہ دار فن،

صفحات: ۳۵۹ - قیمت اللہ ہی جانتے!

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نقشہ گرِ فکر و تحریکِ اسلامی کی اعلیٰ ترین علمی خدمت تفہیم القرآن کا ایک مکمل انگریزی ترجمہ از فدائے تحریک چوہدری محمد اکبر مرحوم و جناب انور کمال مارکیٹ میں موجود ہے۔ گو وہ سادہ و دل نشیں ترجمہ بڑی محنت سے کیا گیا ہے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے اس میں شامل رہے ہیں۔ مگر مغرب کے انگریزی اہلِ زبان اور یہاں کے اعلیٰ انگریزی خوان طبقوں کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر جناب ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری نے (جو دینی اور جدید علوم سے اچھی طرح مستفید ہو چکے ہیں) اس نئے ترجمے کا آغاز کیا - نہایت مناسب سائز پر (صفحہ = ۶" × ۹½") دو جلدیں آچکی ہیں جو ۶ سیپاروں پر مشتمل ہیں۔ کتاب کا تعارف ہم جلد اوّل کے آنے پر کرا چکے ہیں - مترجم نے محنت و کاوش سے کام کیا ہے۔ آخر میں ایک ضمیمہ موضوعات ہے اور دوسرا اعلام و اماکن کا عام انڈکس -

اِس مرتبہ ہم ترجمہ کا تقابلی جائزہ لینے پر اکتفا کریں گے۔ تفہیم القرآن کے متذکرہ دونوں ترجموں کے اقتباسات - ایک ہی آیت (۶۵ - سورہ نساء) کا ترجمہ:۔

۱۔ ازجناب چوہدری محمد اکبر وانور کمال:۔

Nay, O Muhammad, by your Lord, they can never become believers until they accept you as a Judge for the decisions of the disputes between them, and then surrender to your decision with entire submission without feeling the least resentment in their hearts.

۲۔ ازظفر اسحاق انصاری صاحب:۔

But no, by your Lord, they cannot become true believers until they seek your arbitration in all matters on which they disagree among themselves, and then find not the least vexation in their hearts over what you have decided, and accept it in willing submission.

علوم جدید کی اسلامی تشکیل | از ڈاکٹر اسمٰعیل راجی فاروقی شہیدؒ۔ مترجم: پروفیسر سید محمد سلیم
ناشر: ادارہ تعلیمی تحقیق - تنظیم اساتذہ پاکستان - ۸ - اے ریلدار پارک اچھرہ، لاہور
قیمت: ۲۵/- روپے۔

مغرب کی مادہ پرست اقوام نے جدید سائنسی علوم کی طاقت سے جو ترقی کی ہے اور نفسیاتی محاذ پر اذہان کو جس طرح مرعوب و متاثر کیا ہے۔ وہ بالکل عیاں حقیقت ہے۔

اس حقیقت نے مسلمانوں کے بہت ذہین اور مقتدر طبقوں کو بھی بہت الجھایا ہے اور یوں ملت کے سامنے یہ سوال آ کھڑا ہوا ہے کہ اپنے دین کے اخلاقی، تمدنی اور سیاسی نظام کو برقرار رکھتے ہوئے جدید علوم سے کس طرح استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کے فاضل مصنف نے اپنی اس بہت ہی قیمتی تصنیف میں اس مشکل ترین سوال کا قابلِ عمل حل تجویز کیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ہمارے فاضل لوگوں کے علاوہ عوام اور نوجوانوں کو بھی کرنا چاہیے۔

ترجمے کی معیاریت کی ضمانت پروفیسر سید محمد سلیم صاحب کا اسمِ گرامی ہے۔ کتاب کمپوٹرمی طباعت کی وجہ سے خوب صورت ہے، مگر غلطیاں رہ گئی ہیں۔ (سید نظر زیدی)

ہمدرد نونہال، خاص نمبر | صدر مجلس ادارت حکیم محمد سعید صاحب - مدیر اعلیٰ مسعود احمد برکاتی - بچوں کے لیے باتصویر ماہنامہ، سالنامہ (۱۹۸۹ء)، صفحات: ۳۰۰-
قیمت خاص نمبر ۱۲/- روپے - عام شمارہ: ۵/- روپے، سالانہ ۵۵/- روپے-
پتہ: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد- کراچی ۷۴۶۰۰-

محترم حکیم صاحب کی حکمت کے ساتھ جب ظرافت اور ان کی بزرگی کے ساتھ محبتِ اطفال شامل ہو جاتی ہے، نیز مسعود برکاتی صاحب کی برکت کام کرنے لگتی ہے تو ان سارے اجزا سے ایک نسخہ تیار ہو جاتا ہے — "ماہنامہ ہمدرد نونہال"- اور جب سالنامے کا چیلنج سامنے آتا ہے تو کتنے ہی لکھنے والے بوڑھوں (جو پہلے بچے ہی تھے) اور بچوں کا تعاون اس کے صفحات کو گلہائے رنگا رنگ سے مالا مال کر دیتا ہے۔ سوچنے کی قوتیں، تعجب کا رجحان، استفہامیہ تڑپ، آگے بڑھنے اور زندگی میں کچھ کر دکھانے کی تمنائیں، تفریح اور مزاح کے جذبات، علم کی تڑپ — نہ جانے کیا کیا قوتیں بچوں میں بیدار ہو جاتی ہیں- پرانی کہانیاں، نئے انکشافات، تازہ معلومات، ذہنی آزمائشیں، زبان کی تعلیم (آخر میں رسالے سے متعلق لغت کے صفحات) صحت و علاج کے نسکات،

دین و اخلاق کی تعلیم سب کچھ ایسے شربتِ روح افزا میں گھول کر بچوں کے سامنے رکھا جاتا ہے کہ اگر بڑے دیکھ پائیں تو وہ بھی جام کے جام چڑھا جائیں۔ ہمارے ہاں بھی گھر کے سبھی لوگوں نے اسے پڑھا۔ حسبِ معمول!

افسوس ہے کہ میری علالت تبصرے میں مانع رہی۔ اور اب بھی میں تھوڑے سے وقت میں بہت سے کام کو نمٹانے پر مجبور ہوں۔ اس لیے خاص نمبر کی دلچسپ نگارشات کا تفصیلی تعارف نہیں کرا سکا۔

حکیم صاحب اور برکاتی صاحب اور ہمدرد نونہال کو پڑھنے والے آٹھ سالہ بچوں سے لے کر ساٹھ سالہ بچوں تک سب سے معذرت ---- اور درخواستِ دعا!

بچوں کی کتابوں کے مصنفین | ترتیب بہ اہتمام نیشنل بک کونسل آف پاکستان۔ ناشر: جناب ذوالفقار احمد صاحب تابش، دیباچہ نگار: جناب میرزا ادیب۔ خوبصورت ٹائیٹل۔ قیمت: ۱۸/- روپے۔

یہ ایک ڈائرکٹری ہے جس میں بچوں کے لیے نثر یا نظم میں لکھنے والے (کم یا زیادہ) مصنفین کے ناموں کو ابجدی ترتیب اور ان کے پتوں کے ساتھ درج کر کے ان کی کتابوں کے نام درج کیے گئے ہیں۔ مشکل ہی سے کوئی نام چھوٹا ہو گا۔

بک کونسل کئی مفید خدمات انجام دے چکی ہے، جن میں یہ تازہ اضافہ بہت قابلِ قدر ہے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا لٹریچر | مختلف اصحاب کے پمفلٹ۔ ناشر: عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت۔ حضوری باغ روڈ، ملتان، پاکستان۔

مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی تحریری و تقریری خدمات کے علاوہ عملی کارگذاریوں اور قید و بند و مباہلوں وغیرہ کی داستان اتنی طویل ہے کہ مجلس اور اکابر تعارف سے بالاتر ہیں۔ اس وقت

ہمارے سامنے حسبِ ذیل پمفلٹ ہیں:

۱۔ "مباہلہ کا چیلنج قبول ہے"۔ (از مکرم عبدالرحمٰن یعقوب باوا صاحب و مولانا اللہ وسایا صاحب و مولانا نذیر احمد خاں بلوچ صاحب و مولانا منظور احمد الحسینی صاحب) یہ چاروں حضرات مرزا طاہر قادیانی سربراہ کی دعوتِ مباہلہ کے جواب میں لندن پہنچے۔ مگر طاہر صاحب فرار کر گئے۔ پھر ان حضرات نے یہ پمفلٹ لکھا۔ مفت (صرف ایک روپیہ کے ٹکٹ برائے ڈاک)۔

۲ ۔ "مرزا طاہر بیگ کے جواب میں" ۔ از مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔ بلا قیمت صرف ڈاک کے لیے ایک روپیہ کی ٹکٹیں بھیجیں)۔

۳ ۔ "قادیانی عقاید پر ایک نظر۔ از مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری۔ بلا قیمت (صرف ایک روپیہ کی ٹکٹ بھیجیں)

۴ ۔ "قادیانیوں کا مکمل بائیکاٹ" ۔ از مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی۔ " "

۵ ۔ "عشق خاتم النبیین" (مجموعہ تحریرات) ——— " " " "

۶ ۔ "آستین کے سانپ" بلا قیمت (ڈاک کے لیے ایک روپیہ کی ٹکٹیں بھیجیں)

۷ ۔ "قرآن مجید میں ردو بدل" " " " " "

۸ ۔ "چہرۂ قادیانیت" " " " " "

۹ ۔ "عاشقانِ مصطفےٰ" " " " " "

قوم کے لوگ محض غیر شعوری جذبات ہی میں نہ رہیں، علماء کی تیار کردہ ان تحریروں کو پڑھیں اور پھیلائیں۔

قرطاس و قلم ایڈیٹر منور الاسلام (اصل مرشد: عبدالواحد نادر القلم۔ مقامِ اشاعت: ۴۰۔ رلنک روڈ، ٹمپل روڈ لاہور۔ آرٹ پیپر پر چھپا ہوا، رسالے کا پہلا شمارہ۔ سرورق دیکھ کر آدمی کے چمنِ تخیل میں بہار آجائے۔ مضامین بھی ہر گوشے سے جمع کرکے شاندار گلدستہ بنا دیا گیا ہے۔ قیمت فی شمارہ ۲۰/- روپے۔

ستمبر (۱۹۸۸ء) کے اولین شمارے میں ۲۰، ۲۵ نگارشات نظم و نثر جمع کر لینا اور

پھر خطاطی کے کمالات سے صفحات کی تزئین! ــــ ”ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند“۔
بعض صفحات پہ کتابت جلی، بعض پہ خفی۔ بعض جگہ الفاظ اُڑ گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ایڈیٹری
پہ خطاطی غالب ہے۔ رسالہ مرتب کرنا ایک خاص فن ہے اور خطاطی اس سے بھی بڑا۔
رسائل و اخبارات کی ”وبائی“ حد تک کثرت، کاغذ و طباعت کے ہر شعبے میں شدید گرانی۔
اشتہارات کا توڑا، لوگوں کے لیے بیک وقت دس دس چیزیں ماہانہ خریدنا مشکل۔ ایک
والے بھی کم ہی ملتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ زیادہ تر پرچہ تحفے میں دینا پڑتا ہے۔ اور پھر ایک دن
طالبوں کو یہ جواب دینا پڑتا ہے کہ بابا معاف کرو! ــــ یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ
کون کس کو معاف کرے۔

بہرحال ہم دل، جان، دماغ اور آنکھوں سے اس ہدیۂ رنگا رنگ کو بصد فکر یہ قبول
کرتے ہیں۔ خدا کرے ہزار دو ہزار آدمی اسے خریدیں۔ زیادہ خریدیں گے تو خسارہ بڑھ
جائے گا۔

ندا ء المرأۃ نگران عائشہ صفدر۔ مدیرہ اُمِّ زبیر (و دیگر اخوات)۔ بہ اہتمام شعبۂ نشر و
اشاعت جماعتِ اسلامی (حلقہ خواتین) کراچی۔ پتہ: ۹۸ - کے ایم سی ہاؤسنگ سوسائٹی
بلاک ۸/ا کراچی ۸۱۶ رسی - قیمت و چندہ نامعلوم۔

اس وقت اسلامی تحریک سے متعلق خواتین و طالبات کے متعدد رسالے نکل رہے ہیں۔
بہتر تو یہ تھا کہ ان میں دو کو خاص کر کے ساری مساعی ان پر مرتکز کر دی جاتیں، کیونکہ رسالوں
کی کثرت اشاعت نے بڑا سنگین مقابلہ پیدا کر دیا ہے۔

دراصل یہ شمارہ (اشاعت ۴+۵+۶) کارکردگی رپورٹ پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں
درسِ قرآن، درسِ حدیث، حالاتِ حاضرہ، بیادِ سیدی، دخترِ اسلام، گھر ہونے تک
جیسے مضامین جاذبِ توجہ ہیں۔ مجھے خواتین اور طالبات کی ان مساعی سے بڑی مسرت ہوتی
ہے کہ خدا کا کتنا کرم ہے کہ مغرب کی ”خاتون بگاڑ“ تحریک کی آلۂ کار بننے والی خواتین کے
مقابلے پہ اللہ کی بندیوں کا محاذ مضبوط تر ہو رہا ہے۔

ماہنامہ درویش | مدیر: ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی - (بیادِ خواجہ حسن نظامی دہلوی رح)

فی پرچہ آٹھ روپے - سالانہ چندہ ۸۰/- روپے - پتہ: مینجر "ماہنامہ درویش" ۴۵ عبدالکریم روڈ لاہور ۶

خواجہ عابد نظامی صاحب بڑے وضع دار، نیک دل، محبِ صوفیا اور نعت گو ہیں - اسی لیے وہ درویشی میں خواجگی کرتے ہیں - ورنہ وہ اگر بادشاہی یا لادین جمہوریت کی وزارتِ عظمیٰ پہ دستِ حق طلبی رکھ دیں تو کسے مجالِ مزاحمت - وہ "شانِ ضیائی" بھی رکھتے ہیں (ماہنامہ ضیاء اور ضیاء القرآن سند ہیں) اور مقامِ بے نظیری بھی - نواب مشتاق احمد صاحب سے لے کر ملا واحدی (مرحوم) اور دائم اسلم (مرحوم) اور حفیظ تائب جیسے حضرات کی بلند نگارشات کے قالینوں میں انہوں نے میرا ایک ملیشیے کا ٹکڑا بھی گانٹھ دیا ہے - مگر نہ کوئی چارہ ہے، نہ مجالِ شکوہ - ابھی کیا معلوم کہ وہ ہر مہینے ہمارے ساتھ جمہوری حکومت کی طرح کیا کیا کریں گے؟

منہاج القرآن | سرپرست: مولانا طاہر القادری - مدیر اعزازی: جاوید القادری -

قیمت فی شمارہ ۵/- روپے - زرِ سالانہ ۵۰/- روپے -

یہ ایک دینی رسالہ ہے - مضامین میں تنوع ہے - اس کا رنگ خاص ہے -

---

فکر و نظر | مدیر ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری و دیگر اکابر - سہ ماہی (از محمود احمد غازی)

رسالہ، کاغذ، طباعت، ٹائیٹل، مندرجات سبھی بہت خوب - جلد ۲۶، شمارہ ۴ میں خصوصاً پہلا مضمون "قواعدِ کلیہ اور ان کا آغاز و ارتقاء" (از محمود احمد غازی) اصولِ فقہ کے متعلق بڑا پیارا مضمون ہے - بڑی علمی باتوں کو اتنا عام فہم بنا کر پیش کیا گیا ہے کہ ہم جیسے غیر فقیہ بھی بہت کچھ پا لیتے ہیں، چنانچہ بہت پڑھا - بقیہ تمام مضامین بھی علمی و تحقیقی اور قابلِ قدر ہیں -

قیمت فی شمارہ دس روپے - ناشر: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ، اسلام آباد -

متاعِ کاروان | سرپرست : محمد حسین ہنجرا - مدیر اعلیٰ : قاضی قادر بخش قریشی - شعبہ گورنمنٹ ایلی منٹری (ٹیچرز ٹریننگ) کالج کی طرف سے خانپور ضلع رحیم یار خان کی طرف سے شائع شدہ یہ علمی، تعلیمی، معلوماتی اور ادبی و شعری مجموعہ قابلِ قدر ہے - اس کو کالجوں اور مدارس کی لائبریریوں میں جگہ ملنی چاہیے -

---

انصاف | زیر سرپرستی ڈاکٹر محمد یونس - بہ اہتمام : روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن اراکان برما - قیمت فی شمارہ برائے پاک و ہند ۶/ روپے - زیادہ تفصیل کے بغیر مجھے یہ کہنا ہے کہ اراکان برما کے مسلمان اس وقت انتہائی ظلم و اذیت سے گذر رہے ہیں اور ہماری حکومت اور جماعتیں اور لیڈر اور عوام سب بے حس اور خاموش ہیں - کاش کہ انصاف کا یہ پیغام آپ سن سکیں -

---

محمد اکرام قریشی کے تبلیغی پمفلٹ | ۱- ووٹ ، ووٹر اور امیدوار کی شرعی حیثیت - ۲- یتیم کا مال بلائے جان - ۳- سیرت و شہادت حسینؓ - ۴- زکوٰۃ کے احکام - شائع کردہ : احیائے دین لائبریری سیالکوٹ - مفت تقسیم -

---

جناب عبدالغنی میمن کا لٹریچر | عبدالغنی میمن ، سابق ایڈیٹر و پبلشر گجراتی ڈائجسٹ، کراچی - ان کا دلچسپ اور پریشان کن لٹریچر مسلسل آتا رہتا ہے - اِس وقت : ۱- "سندھ کیسے غرق ہوگا" (خدا نہ کرے) ۲- دجّال اور یاجوج ماجوج کی جنگ - اور ۳ "عربوں پر زوال" ۴- "دجال مردود کو پہچانیئے" نامی چار پمفلٹ سامنے ہیں - مؤلف کو احادیث اور سائنسی ایجادات اور عالمی خبروں کے آپس میں ڈانڈے ملا کر ایک نقشہ بنانے کا ہنر آتا ہے کہ کم ہی لوگ ہوں گے جو ایمان نہ لے آئیں - ستم یہ کہ عبدالغنی صاحب حضورؐ کی ساری پیشگوئیوں کے استعارات کا مفہوم نص کی طرح متعین کر کے ۲۰۰۰ء عیسوی سے پہلے دجال اور یاجوج ماجوج کی تباہی کا ڈرامہ دکھاتے ہیں - بلکہ اُمت ہی کو ختم کر رہے ہیں جس طرح عالمگیر

ایٹمی تباہی کا وہ بیان کرتے ہیں۔ معلوم نہیں ۹۰ کروڑ مسلمانوں میں سے وہ ۲۰ کروڑ مسلمانوں کو کیسے بچا نکالتے ہیں۔ نبوت کی پیش گوئیوں کی ایسی یقینی عقدہ کشائی کسی کے بس میں نہیں۔

البتہ ایک بات درست ہے۔ وہ یہ کہ روس اور امریکہ اور اسرائیل اور بھارت اور سارے یورپ کا جو گٹھ جوڑ آئندہ کے لیے مسلمانوں (خصوصاً بنیاد پرستوں) کے لیے بن رہا ہے وہ خبروں سے واضح ہے۔ ہماری حکومتیں یا جماعتیں اور قیادتیں اسے سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

بہر حال عبد المغنی صاحب پیشگوئیوں کی عقدہ کشائی سے زیادہ بنیادی دعوتِ حق اور دعوتِ تجدید ایمان اور دعوتِ اصلاح کا کام اگر شروع کر دیں تو وہ زیادہ بہتر ہوگا۔

کشمیر (انگریزی) از جناب ایم شفیع خاں۔ بہ تعاون انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد۔ شائع کردہ: کشمیر سنٹر۔ کمرہ نمبر ۱۱ — ۳ منزل۔ راجہ چیمبرز، عابد مارکیٹ شاہ راہ فاطمہ جناح، لاہور۔ قیمت: دس روپے۔

یوں تو کشمیر کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اسلام کی آمد کے بعد عہدِ مغلیہ، افغانوں کا عہد، سکھوں کا عہد، ڈوگرہ عہد۔ پھر ۱۹۴۷ء میں آزادی ہند سے اب تک کا دور شامل ہے۔ بھارت نے مسلمانوں کی بھاری اکثریت کا علاقہ جموں و کشمیر تقسیم ملک کے اصول کے خلاف جبراً اپنے قبضے میں لے لیا۔ اقوامِ متحدہ میں معاملہ گیا تو استصواب رائے کرانے کا فیصلہ ہوا۔

مگر بھارت کی حکومت یہی رٹ لگا رہی ہے کہ "کشمیر میں ریفرنڈم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔ قائد اعظمؒ نے بھی فرمایا تھا کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ کوئی قوم شہ رگ دشمن کے ہاتھ میں دے کر آزادی کا دم نہیں لے سکتی۔ ۴۲ سال سے یہ مسئلہ معلق ہے۔

اِس کتاب کے آخر میں جناب شفیع خاں صاحب نے قابلِ عمل حل پیش کیا ہے اور دلائل سے کشمیری مسلمانوں کی تاریخی جدوجہد اور مظلومیت کی داستان لکھ کر معاملہ طے کرنے کا واحد راستہ نکالا ہے۔ یہ مختصر کتاب اس قابل ہے کہ اس کو ہر سطح پہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں جملہ تنازع نکات پر بحث کی گئی ہے۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۴۰

ستمبر ۱۹۸۹ء